العدد الصحیح
فی رکعات التراویح

مؤلف

حضرت الحاج مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی
مہتمم دارالعلوم حسینیہ پلاموں

ناشر
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند یوپی

نام کتاب	العدد الصحیح فی رکعات التراویح
مؤلف	سلطان المناظرین حضرت الحاج مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مہتمم دارالعلوم حسینیہ پلاموں
سن اشاعت	۲۰۰۹ء
کمپوزنگ	حرا کمپیوٹرس (اشرف علی قاسمی) 9719511183
طباعت	....
ناشر	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند یوپی

فہرست مضامین

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

العدد الصحیح فی رکعات التراویح

الحمد للّٰہ حمداً کثیراً لعدد غیر محدود والصلوٰۃ والسلام علی جمیع الانبیاء والمرسلین خصوصاً علی محمد خاتم النبین صلاۃ کثیرۃ وسلاما غیر محدود وعلی الہ واصحابہ اتباعہ اجمعین!

اس رسالہ کی وجہ تالیف یہ ہے کہ نماز تراویح کی رکعتوں کے متعلق بعض غیر مقلدین حضرات نے بیجا تشدد بلکہ بیحد تعصب اختیار کرلیا ہے اس سلسلہ میں انہوں نے بعض رسائل بھی تحریر کیے ہیں جن میں ثابت کرنا چاہا ہے کہ بیس رکعتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدینؓ ودیگر صحابہ کرامؓ میں سے بھی کسی سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہیں اور اس سلسلہ کی تمام مرفوع وموقوف روایتوں کو انہوں نے اصول حدیث سے بے نیاز ہوکر سخت مجروح قرار دیا ہے احناف کے متعلق ان کی گفتگو کا انداز نہ صرف غیر عادلانہ بلکہ سخت جارحانہ ہوگیا ہے چنانچہ حال میں مولوی علی احمد نامی ایک غیر مقلد صاحب نے ''اظہار الحق الصریح'' کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس میں علم ودیانت کا خوب خوب مذاق اڑایا گیا ہے اور بزعم خود انہوں نے بہت بڑا کام انجام دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا مقصد صرف حنفیہ کی مخالفت اور ان پر حملہ کرنا ہے، چاہے اس کے لئے ان کو کتنا ہی غیر اخلاقی اور جاہلانہ

طریقہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے چنانچہ ان حضرات نے اپنے رسائل میں یہ خدمت
خوب انجام دینے کی کوشش فرمائی ہے مثلاً ملا علی قاری نے ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے
ہوئے لکھا تھا **لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح
عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلث عشرۃ رکعۃ
الخ** مولوی نذیر احمد مرحوم شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ و مولوی علی احمد دونوں حضرات نے
مذکورہ بالا عبارت میں **ثلث عشرۃ رکعۃ** کو **احدی عشرۃ رکعۃ** بنا ڈالا ہے اسی
طرح قاضی شوکانی کی عبارت نقل کرنے میں خوب خوب خیانتیں کی ہیں وغیرہ وغیرہ
بہرحال ان ہی اسباب کے پیش نظر ضرورت محسوس کی گئی کہ کسی مخصوص کتاب یا کسی
خاص فرد کو زیر بحث لائے بغیر خالص علمی پہلو سے دونوں فریق کے دلائل پر گفتگو کی
جائے اور ان کا علمی جائزہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ
واقعی احادیث صحیحہ سے زیادہ قریب کون فریق ہے اور سنت رسولؐ و تعامل صحابہ کرامؓ
کس کے ساتھ ہے، فی الحال صرف مرفوع روایات سے متعلق مختصر سی بحث اور تحقیق
کی جارہی ہے اور موقوف روایتوں نیز تعامل صحابہؓ و توارث عملی کی بحث دوسرے حصہ
کیلئے ملتوی کی جاتی ہے بلکہ مرفوع روایتوں میں بھی زیادہ تر بخاری و مسلم یا صحاح ستہ
کی احادیث ہی سے استدلال کیا جائیگا۔ غیر صحاح ستہ کی بہ مشکل دو تین حدیثیں زیر
بحث لائی گئی ہیں لیکن ان کی توثیق و صحت سے متعلق پوری وضاحت و تفصیل کر دی گئی
ہے تا کہ کسی کیلئے اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ امید ہے کہ رسالہ ہذا منصف مزاج
حضرات کیلئے بصیرت کا سبب ہوگا وما توفیقی الا باللہ۔

سب سے پہلے موضوع بحث کی تعیین ضروری ہے

تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں جب بحث و تحقیق کا سلسلہ شروع ہوتا ہے
تو سب سے پہلے جو بات ضروری ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل مبحث متعین اور واضح
کر لیا جائے اور گفتگو کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے موضوع گفتگو واضح طریقہ پر

مقرر کیا جائے تا کہ کسی فریق کی بات سمجھنے میں کوئی طالب حق کسی طرح کی الجھن میں
مبتلا نہ ہونے پائے اس سے ہم تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں غیر مقلدین اور حنفیہ
دونوں فریق کا موقف و مسلک انہیں کے الفاظ میں پیش کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

احناف کا موقف کیا ہے

علمائے محققین کی تصریح کے مطابق بالعموم حنفی کتابوں میں نماز تراویح کو سنت
مؤکدہ بتایا گیا ہے اور اس کی بیس رکعتوں کو بھی سنت مؤکدہ ہی بیان کیا گیا ہے چنانچہ
مراقی الفلاح علی ہامش طحاوی صفحہ ۲۳۵ پر ہے **وھی سنۃ مؤکدۃ** یہ سنت غیر کفایہ
اور مؤکدہ ہے

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

**اما صفتھا فھی سنۃ کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ قال
القیام فی شھر رمضان سنۃ لا ینبغی ترکھا و کذا روی عن محمد انہ
قال التراویح سنۃ الا انھا لیست بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم .... لکن الصحابۃ واظبوا علیھا فکانت سنۃ الصحابۃ.**

تراویح کی حیثیت کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ سنت ہے جیسا کہ حسن بن زیاد
نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رمضان کے مہینہ میں نماز تراویح
سنت ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں اور اسی طرح کی بات امام محمد رحمہ اللہ سے بھی
منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ تراویح سنت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
سنت نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام نے اس پر مواظبت فرمائی ہے لہذا وہ صحابہ کی سنت ہے۔
(بدائع الصنائع ج/اول صفحہ/۲۸۸)

ان تصریحات سے نماز تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا حنفیہ کے نزدیک بالکل
واضح ہے لہذا بعض کتابوں میں جو اس کو نفل لکھ دیا گیا ہے وہ مذہب مختار کے خلاف
ہے اور یا پھر نفل سے مراد ان حضرات کی بھی سنت مؤکدہ ہی ہے اس لئے کہ فقہائے

کرام کبھی کبھی غیر واجب پر نفل کا اطلاق کر دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نماز تراویح واجب نہیں ہے لہذا اس کو نفل کہا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ غیر واجب ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے نفل سے مراد سنت مؤکدہ بھی لیا جاتا ہے اس کی تصریح مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والنوافل جمع نافلة وهو لغة الزائدة ويطلق شرعا على صلوٰة ليست بفرض ولا بواجبة اعم من ان تكون سنة مؤكدة او مستحبا.

اور نوافل جمع ہے نافلہ کی، نافلہ کی معنی لغت میں زائدہ کے ہیں لیکن شریعت میں ایسی نماز پر اطلاق ہوتا ہے جو فرض اور واجب نہ ہو خواہ سنت موکدہ ہو یا مستحب۔

(عمدۃ الرعایۃ صفحہ/۱۹۹)

اس وضاحت کے بعد یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ نماز تراویح تمام حنفی حضرات کے یہاں سنت موکدہ ہے خواہ اس کو نفل یا مستحب سے یاد کیا گیا ہو یا صراحۃ سنت موکدہ ہی کا لفظ اس کے واسطے استعمال کیا گیا ہو دونوں کا مفہوم و مدلول ایک ہی ہے دونوں لفظوں کا اصطلاحی فرق اس جگہ ملحوظ نہیں ہے۔

ایک ضروری بات اس جگہ یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ نماز تراویح ہی کی طرح اس کی بیس رکعتیں بھی علمائے احناف کے نزدیک سنت موکدہ ہیں محققین کے نزدیک اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف علامہ ابن ہمام حنفیؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کا خیال ہے کہ تراویح کی آٹھ رکعتیں تو سنت ہیں اور بقیہ بارہ رکعتیں مستحب ہیں۔ (دیکھئے فتح القدیر جلد اول صفحہ۳۳۴)

لیکن ابن ہمام کی یہ رائے جمہور حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ دلائل کے لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہے اسی لئے محققین علمائے احناف نے ان کی اس ذاتی رائے کو قبول نہیں کیا ہے اور ان کے اس تفرد کی پر زور تردید کردی ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو حوالے نقل کر دینا کافی ہے۔ علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وذهب الشيخ ابن الهمام في الفتح ١ . ٣٣٤ الىٰ ان الثمان من العشرين سنة والبقية مستحبة وذكر ان ذٰلك مقتضى الدليل اى الفرق بين سنتهٖ وسنة الخلفاء الراشدين وستعلم ما فيه وهٰذا قول لم يقل به احد. (معارف السنن جلد/٦ صفحه ٢٢٥ و٢٢٦)

شیخ بن ہمام فتح القدیر جلد/۱ صفحہ/۳۳۴ میں اس طرف گئے ہیں کہ آٹھ رکعتیں بیس میں سے سنت ہیں اور بقیہ مستحب ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ دلیل کا تقاضہ یہی ہے یعنی حضورؐ کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کے مابین فرق یہی چاہتا ہے اور بہت جلد تم کو معلوم ہو جائیگی وہ کمزوری جو اس قول میں ہے اور یہ تو ایسی بات ہے کہ (حنفیہ میں سے) کسی نے نہیں کہی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن ہمام کا رد کرتے ہوئے علامہ عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ومحققوهم يعرفونها بما واظب عليه الرسول او خلفاءه واليه يشير عبارات الفقهاء في مواضع شتى وهو المستفاد من حديث عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين اخرجه ابو داؤد وابن ماجة فان كلمة عليكم تدل على اللزوم وكذا عطف سنة الخلفاء على سنتهٖ واليه اشار بعض اعيان دهلي في كتابه ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء فما في فتح القدير ندب الى سنة الخلفاء بهذا اللفظ لا يخلو عن شيء فعلىٰ هٰذا التعريف يكون السنة الموكدة هو عشرون ركعة.

(حاشيه هدايه صفحه/ ١٣١ جلد/اول)

اور محققین احناف سنت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ یہ وہ عمل ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو یا آپ کے خلفاء نے مواظبت کی ہو اور اسی تعریف کی طرف مختلف مواقع پر فقہاء کرام کی عبارتیں اشارہ کرتی ہیں بلکہ یہی مفہوم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین جس کی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے تخریج

کی ہے اس حدیث سے بھی سمجھا جاتا ہے کیونکہ لفظ ''علیکم'' لزوم پر دلالت کرتا ہے
اسی طرح سنتی پر سنۃ الخلفاء کا عطف بھی لزوم ہی کا فائدہ دیتا ہے اور سنت کے
اس معنی کی طرف دہلی کے بعض ممتاز علماء (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے اپنی کتاب ازالۃ
الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں اشارہ فرمایا ہے لہذا فتح القدیر میں جو یہ ہے کہ اس لفظ سے
خلفاء کی سنت کو مستحب قرار دیا گیا ہے تو یہ کہنا ضعف سے خالی نہیں ہے لہذا اس
تعریف کے پیش نظر سنت موکدہ بیس رکعت ہی ہوگی۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے احناف کو اختلاف
ہے اور جمہور کے مقابلہ میں ابن ہمام کی رائے ان کے یہاں معمول بہا نہیں ہے بلکہ
از روئے دلیل بھی ابن ہمام کی رائے کمزور ہے لہذا ان وضاحتوں کے سامنے آجانے
کے بعد احناف کا موقف تراویح کے سلسلہ میں یہی ہوگا کہ ان کے نزدیک نماز تراویح
اور اس کی بیس رکعتیں دونوں سنت موکدہ ہیں۔

غیر مقلدین حضرات کا موقف کیا ہے؟

بالعموم غیر مقلدین علمائے کرام کا خیال نماز تراویح کے سلسلہ میں یہ ہے کہ وہ
نماز نفل ہے سنت موکدہ نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اس کی رکعتیں صرف آٹھ ہیں اور آٹھ سے
زیادہ رکعتیں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام سے
خصوصاً خلفائے راشدین سے تو ہرگز آٹھ سے زیادہ ثابت ہی نہیں چنانچہ مولانا عبد
الرحمٰن صاحب مبارکپوری فرماتے ہیں:۔

قلت القول الراجح المختار الاقوی من حیث الدلیل هو هذا
القول الاخیر الذی اختاره مالك لنفسه اعنی احدی عشرة رکعة
وهو الثابت عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالسند الصحیح
وبها امر عمر بن الخطابؓ واما الاقوال الباقیة فلم یثبت واحد منها
عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بسند صحیح ولا ثبت الامر به

عن احد من الخلفاء الراشدین بسند خال عن الکلام.

میں کہتا ہوں راجح مختار اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی بات یہی آخر والی
ہے جس کو امام مالک نے اپنے واسطے پسند فرمایا ہے یعنی گیارہ رکعت اور یہی بسند صحیح
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے بلکہ اسی کا امر کرنا عمر بن الخطاب رضی اللہ
عنہ سے بھی ثابت ہے اور باقی اقوال میں سے ایک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
بسند صحیح ثابت نہیں اور نہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا حکم ہی اس کے بارے میں
ایسی سند سے ثابت ہو سکا ہے جو کلام سے خالی ہو۔ (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۳/ جلد ۲)

بالکل یہی بات شرح وبسط کے ساتھ رسالہ رکعات تراویح میں حافظ عبداللہ
صاحب غازی پوری نے بھی کہی ہے اور حال میں مولوی احمد نامی ایک غیر مقلد
صاحب نے اپنے رسالہ ''اظہار الحق الصریح صفحہ ۱۶'' پر تحریر فرمایا ہے۔

ہمارا کہنا ہے کہ تراویح نفل نماز ہے جس کا پڑھنا باعث ثواب ہے لیکن نہ
پڑھنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اس کی رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاوہ
وتر آٹھ رکعتوں سے زیادہ ثابت نہیں ہے۔

ان حوالوں سے صاف واضح ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک نماز تراویح ایک
نفل نماز ہے اور اس کی رکعتیں صرف آٹھ ہیں، آٹھ سے زیادہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہیں نہ کسی صحابی سے بالخصوص خلفائے راشدین میں سے کسی سے
بسند صحیح ہرگز ثابت نہیں ہے۔

علمائے غیر مقلدین کے موقف کی تنقیح

اس جگہ یہ بات اچھی طرح خیال کر لینا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یا کسی صحابی سے آٹھ رکعت ثابت ہونے کا دعوی ایک دوسری چیز ہے اور صرف
آٹھ کے ثابت ہونے کا دعوی یعنی آٹھ سے زیادہ کا انکار کرنا ایک دوسری چیز ہے
دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اس فرق کو ایک مثال کے ذریعہ ذہن نشین کیا

جاسکتا ہے مثلاً زید کے پاس کچھ روپے ہیں جس کے متعلق خالد کا دعوی ہے کہ صرف آٹھ روپئے ہیں آٹھ سے زائد روپے ہرگز زید کے پاس نہیں ہیں۔ محمود کا دعوی ہے کہ زید کے پاس آٹھ روپے ضرور ہیں اب زید کی تلاشی لی گئی تو بیس روپئے نکل آئے ایسی صورت میں خالد کے دعوی کا باطل ہونا تو بالکل ظاہر ہے لہذا خالد کا دعوی غلط ہوکر رہ جاتا ہے لیکن زید کے پاس بیس روپئے نکل آنے سے محمود کے دعوی پر کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ بیس میں بہرحال آٹھ روپئے بھی موجود ہیں جو محمود کا دعوی ہے لہذا اسکا دعوی اپنی جگہ درست ہے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی وقت زید کے پاس آٹھ ہی روپئے ہوں گے اگرچہ اس وقت بیس ہیں لہذا محمود کا دعوی پہلی حالت کے لحاظ سے اپنی جگہ درست ہے اس مثال کے ذہن نشین ہوجانے کے بعد یہ سمجھ لینا چاہیے کہ غیر مقلدین حضرات کا دعوی محمود کی طرح یہ نہیں ہے کہ آٹھ رکعتیں ثابت ہیں بلکہ خالد کی طرح ان کا دعوی یہ ہے کہ آٹھ رکعتوں سے زیادہ ثابت ہی نہیں ہے لہذا ایک مرتبہ بھی دس یا بارہ یا چودہ یا سولہ یا اٹھارہ یا بیس رکعتیں ثابت ہوجانے سے غیر مقلدین حضرات کے دعوی کا باطل اور غلط ہوجانا بالکل واضح ہوجائیگا۔ اگر یہ فرق آپ نے محسوس کرلیا ہے تو آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے کہ غیر مقلدین حضرات کے اس دعوی حصر کی وجہ سے کتنی صحیح مرفوع متصل حدیثوں کی تکذیب ہوتی ہے اور کتنی روایتوں کا انکار لازم آتا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

غیر مقلدین حضرات اپنی دلیل میں سب سے وزن دار روایت جو پیش فرماتے ہیں وہ ہے حدیث عائشہؓ جس کا تذکرہ اگلے صفحہ پر آرہا ہے لیکن ان حضرات نے اس روایت کے سہارے ایک مغالطہ بھی مختلف موقع پر دینے کی کوشش فرمائی ہے لہذا اس کا ازالہ ضروری ہے مغالطہ یہ ہے کہ اس روایت کی وجہ سے وہ اپنے دعوی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر تھوپ کر یہ فرمادیتے ہیں کہ آٹھ رکعتوں میں حصر کا

دعوی تو ہم نے نہیں کیا ہے یہ دعوی تو حضرت عائشہؓ کا ہے۔ بنا بریں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہوجاتا ہے کہ کسی بات کا روای و ناقل ہونا اور چیز ہے اور اس بات کا مدعی ہونا ایک دوسری چیز ہے حضرت عائشہؓ کی حیثیت صرف راوی و ناقل کی ہے مدعی کی حیثیت نہیں ہے اگر ہر راوی اپنی روایت کردہ بات کا مدعی قرار دیا جائیگا تو خاص اس حدیث تراویح کے سلسلہ میں بخاری و مسلم کی روایت میں تیرہ رکعت بھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور راوی و مدعی کے فرق کے علاوہ ایک خاص بات حدیث عائشہؓ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے گو کہ بفرض محال دعوی بھی اگر کیا ہے تو گیارہ میں حصر کا دعوی کیا ہے نہ کہ آٹھ میں۔ متن حدیث میں آٹھ کا لفظ تو ہے ہی نہیں، گیارہ کا لفظ ہے لہذا حصر بھی ثابت ہوگا تو گیارہ میں اور گیارہ میں حصر مان لینے کی صورت میں وتر کی رکعتیں بھی صرف تین ہی ہمیشہ پڑھنی ضروری ہوں گی اس سے کم وبیش جائز نہ ہوں گی حالانکہ غیر مقلدین حضرات اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں لہذا اپنی بات حضرت عائشہؓ کے سر تھوپنا محض فریب ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اب اظہار الحق الصریح صفحہ/۱۱ کی ان سطروں پر غور فرمائیے لکھتے ہیں:

"کوئی بھی حق وانصاف پسند اسے پڑھ کر یہی کہے گا کہ دعوی تو گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے کا حضرت عائشہؓ کا ہے جسے اہل حدیث بطور دلیل کے نقل کرتے ہیں"

معروضات بالا کو ذہن نشین کرلینے کے بعد اب غیر مقلدین حضرات کی دلیل ملاحظہ فرمائیے۔

نماز تراویح کے آٹھ رکعت میں حصر کی دلیل

فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسال عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسال عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلثا قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا

عائشة ان عيني تنامان و لا ينام قلبي.

(معلوم کرنے پر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے چار رکعت ادا فرماتے تھے ان رکعتوں کی درازی اور عمدگی کا کیا کہنا ہے پھر چار رکعت ادا فرماتے تھے ان رکعتوں کی درازی اور عمدگی کا کیا کہنا ہے؟ اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ: آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سوجاتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں یقیناً سوجاتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔ (بخاری جلد اول صفحہ ۱۵۴)

اس حدیث کے سلسلہ میں کسی طرح کی گفتگو کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حدیث سے آٹھ رکعتوں میں حصر ثابت کرنے کیلئے مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی اور ہمیشہ کا ہے اس کے خلاف ایک مرتبہ بھی آپ نے آٹھ سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھی ہیں ورنہ حصر ثابت نہ ہوگا۔

(۲) یہ بات بھی ضروری ہے کہ وتر کی نماز تین رکعتوں سے زیادہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی ثابت نہ ہو کیونکہ حدیث بالا سے گیارہ رکعتوں میں حصر سمجھا جاتا ہے جس میں تین رکعت وتر علیحدہ کر لینے سے تراویح کی آٹھ رکعت ثابت ہوتی ہے خود حدیث کے اندر آٹھ رکعت میں حصر نہیں مذکور ہے لہٰذا گیارہ پر ہی آٹھ کے حصر کا دار و مدار ہو جاتا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وتر کی رکعتیں تین سے زیادہ کبھی ثابت نہ مانی جائیں ورنہ استدلال غلط ہو جائے گا۔

(۳) یہ بات بھی ثابت ہونی ضروری ہے کہ حدیث بالا میں جس نماز کو حضرت عائشہؓ نے بتایا ہے وہ نماز تراویح ہے جو درحقیقت نماز تہجد ہی کا دوسرا نام ہے

اس طرح نماز تہجد اور نماز تراویح دونوں ایک ہی نماز ہے ورنہ دونوں نمازوں کو الگ الگ ماننے کی صورت میں اس بات کا قوی امکان ہو جاتا ہے کہ اس حدیث میں نماز تہجد کا ذکر ہو نہ کہ تراویح کا اور پھر تراویح پر اس سے استدلال کرنا غلط ہو جائے۔

(۴) یہ ثابت ہونا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول یہی تھا کیوں کہ صحیح حدیثوں سے اس سے زیادہ رکعتوں کا پڑھنا معلوم ہوتا ہے پھر حصر کیسے باقی رہے گا لہٰذا حصر کے باقی و ثابت رکھنے کی صرف یہی ایک صورت ہوگی کہ حدیث بالا کو پہلی تمام حدیثوں کے لئے ناسخ مانا جائے اور اسی کو آخری معمول قرار دیا جائے۔

(۵) حدیث بالا میں کسی طرح کا ضعف یا اور کوئی فنی عیب نہ ہو کیوں کہ اگر ضعف یا اور کوئی اسی طرح کا عیب نکل آیا تو اس حدیث سے استدلال ہی درست نہ ہوگا اور پھر حصر کا دعوی غلط ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا پانچ باتوں پر غور کرنا غیر مقلدین کے استدلال کی صحت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہم سب سے پہلے نمبر ۵ کے سلسلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں اس کے بعد دوسرے نمبر پر حسب ضرورت گفتگو ہوگی۔

حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنا ضعف سے خالی نہیں ہے

غیر مقلدین حضرات کا مذکورہ بالا روایت سے استدلال کرنا اس لئے ضعیف ہے کہ اس حدیث کی دو حیثیت ہے ایک سند کے لحاظ سے اس کا صحیح ہونا، دوسرے متن اور مضمون حدیث کا صحیح ہونا، جہاں تک سند کی صحت کا تعلق ہے تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے اور بخاری و مسلم میں ہونا ہی اس کی سند کی صحت کے لئے بہت بڑی ضمانت ہے لہٰذا بہ لحاظ سند یہ روایت بے غبار ہے لیکن جہاں تک متن اور مضمون حدیث کی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی صحت میں محدثین کو سخت کلام ہے حتیٰ

کہ متن حدیث کی کمزوری اور نقص کی وجہ سے بعض محدثین اس روایت کو مضطرب یعنی ضعیف قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ بات حوالہ کے ساتھ اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ رہی بات کہ کسی حدیث کا بہ لحاظ سند صحیح ہونا دوسری چیز ہے اور بلحاظ متن صحیح ہونا ایک دوسری چیز ہے دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم نہیں ہیں تو یہ محدثین کا ایک مسلمہ اصول ہے اگر غیر مقلدین حضرات کو اس کے تسلیم کرنے میں تذبذب ہو تو مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے یہ حوالے بغور ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

سلمنا صحة اسناده لكن قد تقرر ان صحة الاسناد لا يستلزم صحة المتن. (ابكار المنن صفحه/ ۲۰)

ہم کو اسناد کا صحیح ہونا مسلم ہے مگر ثابت ہو چکا ہے کہ اسناد کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

دوبارہ پھر فرماتے ہیں:

كون رجال الحديث ثقات لا يستلزم صحته.

(ابكار المنن صفحه/ ۴۹)

رجال حدیث کے ثقہ ومعتبر ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

آگے چل کر اسی کتاب میں پھر فرماتے ہیں:

ومن العلوم ان حسن الاسناد او صحته لا يستلزم حسن الحديث او صحته. (ابكار المنن صفحه/ ۶۴)

اور معلوم ہے کہ اسناد کے حسن یا صحیح ہونے سے لازمی طور پر حدیث حسن یا صحیح نہیں ہو جاتی۔

اسی اصول کی ایک مرتبہ اور اسی کتاب میں وضاحت فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان صحة السند لا يستلزم صحة المتن.

(ابكار المنن صفحه/ ۴۰۲)

اور معلوم ہے کہ سند کی صحت متن کی سند کو مستلزم نہیں۔

اس تاکیدی اصول حدیث کے پیش نظر حدیث عائشہؓ کا بلحاظ سند صحیح ہونا تو تسلیم ہے لیکن بہ لحاظ متن وہ حدیث مضطرب ہے جیسا کہ بعض محدثین کا خیال ہے لہٰذا اس ضعیف روایت سے کسی طرح حصر پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ رہی یہ بات کہ یہ روایت بخاری ومسلم کی ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ بخاری ومسلم کی حدیث کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ روایت کا متن ومضمون بھی اپنے ظاہری معنی پر باقی رہتے ہوئے بالکل صحیح ہو جائے بلکہ اس کی سند کا صحیح ہونا بھی اس کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ بات خاص حدیث عائشہؓ کے ہی سلسلہ میں نہیں کہی جا رہی ہے بلکہ بخاری کی بعض دوسری حدیثیں بھی اس انداز کی ہیں کہ ان کا متن اپنے ظاہری مفہوم ومراد سے اگر نہ ہٹایا جائے اور ان کے معانی میں کوئی تاویل وتوجیہ نہ کی جائے تو وہ مضمون اور متن حدیث نہ صرف ضعیف بلکہ بالکل غلط ہو جاتے ہیں۔ بطور مثال اس وقت صرف ایک روایت پیش خدمت ہے، بخاری جلد ثانی میں تعلیقاً یہ روایت موجود ہے:

عن ابن المسيب قال وقعت الفتنة الاولىٰ يعنى مقتل عثمان فلم تبق من أصحاب بدر احداً ثم وقعت الفتنة الثانية يعنى الحرة فلم تبق من اصحاب الحديبية احداً. (بخارى جلد/ ۲ صفحه/ ۵۷۳)

حضرت ابن مسیب سے مروی ہے کہ پہلے فتنہ یعنی شہادت عثمانؓ کے واقعہ نے بدری صحابہ میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ پھر دوسرے فتنہ یعنی واقعۂ حرہ نے شرکائے حدیبیہ میں سے ایک صحابی کو بھی نہ چھوڑا۔

دیکھئے کتنی صراحت کے ساتھ اس روایت میں یہ دونوں باتیں مذکور ہیں:

(۱) شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بدری صحابہ میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔

(۲) واقعۂ حرہ کے بعد صلح حدیبیہ کا شریک کوئی صحابی زندہ نہ رہا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں بالکل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ غلط ہیں۔ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے بہت بعد تک بدری صحابہ میں سے مندرجہ ذیل صحابہ کرام زندہ تھے:

حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما بدری ہیں لیکن شہادت عثمانؓ کے بعد جنگ جمل

میں شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی، اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہم سب کے سب بدری ہیں لیکن واقعۂ اولی یعنی شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بہت بعد جنگ صفین تک بقید حیات تھے۔ ایسے ہی عبداللہ بن عمر، سلمۃ بن الاکوع، زید بن خالد الجہنی، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم یہ تمام صحابہ بیعت رضوان یعنی صلح حدیبیہ کے اندر شریک رہ چکے تھے لیکن واقعۂ حرہ کے بعد تک ان میں سے ہر ایک صحابی زندہ موجود تھا۔ حضرت سلمۃ بن الاکوع کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی دیکھئے تہذیب التہذیب جلد/۴ صفحہ/۱۵۰۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ۷۳ھ میں ہوا، دیکھئے تہذیب التہذیب جلد/۵ صفحہ/۲۲۸۔ اور زید بن ارقم اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما کا انتقال بھی تقریباً ۶۸ھ میں واقعہ حرہ کے بہت بعد ہوا ہے لہذا ان حقائق کے پیش نظر ابن مسیب کی روایت ہی کی طرح حدیث عائشہؓ کے ظاہری حصر میں کوئی نہ کوئی توجیہ وتاویل کرنی ہوگی ورنہ متن حدیث کے اضطراب کی وجہ سے حدیث عائشہؓ کو ضعیف کہنا پڑے گا۔ چنانچہ جن محدثین نے حضرت عائشہؓ کی ان روایتوں کو اور دوسرے صحابہ کی ان حدیثوں کو جن میں گیارہ کے بجائے تیرہ یا اس سے زائد رکعتوں کا پڑھنا مذکور ہے سامنے رکھ کر دونوں کے درمیان تاویل وتوجیہ کے ذریعہ اختلاف وتضاد دور نہیں فرمایا ہے ان محدثین نے حدیث عائشہؓ کو رکعتوں کے سلسلہ میں مضطرب اور ضعیف قرار دیدیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ زرقانی اور علامہ بدر الدین عینی رحمہم اللہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

وقال القرطبی اشکلت روایات عائشة علی کثیر من اهل العلم حتی نسب بعضهم حدیثها الی الاضطراب.

(فتح الباری ج/۵ ص/۶۰۱)

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایتیں بہت سے اہل علم کے لئے دشواری کا سبب بن گئی ہیں حتی کہ بعض اہل علم نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو

مضطرب ہی قرار دیدیا ہے۔

یہی بات علامہ زرقانی اور عینی نے بھی تحریر فرمائی ہے دیکھئے عمدۃ القاری ج/۷ ص/۱۸۷ بلکہ ان حضرات کے علاوہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

واهل العلم یقولون ان الاضطراب عنها فی الحج والرضاع وصلاة النبی صلی اللہ علیه وسلم باللیل وقصر صلاة المسافر.

اہل علم کا ارشاد ہے کہ حج کے مسئلہ میں اور رضاعت کے مسئلہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے مسئلہ میں اور مسافر کی نماز کے قصر کے مسئلہ میں حضرت عائشہؓ سے اضطراب ہوا ہے۔

(تنویر الحوالک ص/۱۴۲ جلد اول، وعمدۃ القاری ص/۱۸۷ جلد/۷)

اسی بات کی طرف امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی اشارہ فرما رہے ہیں:

واما الاختلاف فی حدیث عائشة فقیل هو منها وقیل من الرواة عنها.

حدیث عائشہؓ کے اختلاف واضطراب کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ سے اضطراب ہوا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے روایت کرنے والوں سے اضطراب ہوا ہے۔ (نووی ج/۱ ص/۲۵۳)

اضطراب کسی سے ہوا ہو بہر حال اضطراب موجود ہے اب اس اضطراب واختلاف کو کسی تاویل وتوجیہ سے اگر دور نہ کیا جائے جیسا کہ اکثر محدثین نے کیا ہے تو پھر اس بات کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ حدیث عائشہؓ ضعیف ہے جیسا کہ حوالجات بالا سے بعض محدثین کا موقف معلوم اور واضح ہوتا ہے لہذا حصر کے ساتھ حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنا غیر مقلدین حضرات کیلئے کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ حدیث مضطرب ہے یعنی ضعیف ہے جس سے استدلال جائز نہیں، اضطراب اور ضعف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہے:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلى اذا سمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين (بخاری ج/۱ ص/۱۵۶، ومؤطا مالك مع تنوير ج/۱ ص/۱٤۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے تھے پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو رکعت ہلکی پھلکی پڑھ لیتے تھے۔

یہی حدیث تھوڑے بہت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مسلم مع نووی جلد اول ص/۲۵۴ نیز مشکوۃ ص/۱۱۱ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں پوری صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ تیرہ رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اس کے علاوہ بھی حضرت عائشہؓ کے متعلق بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن سے صراحتاً رکعتوں میں اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان حدیثوں میں سے بعض کا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔ بہر حال ان وجوہ کے پیش نظر بعض محدثین نے حدیث عائشہؓ کو مضطرب قرار دیا ہے لیکن اکثر محدثین اضطراب کو دور کرنے کے لئے مختلف تاویل وتوجیہ کرتے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والصواب ان كل شيء ذكرته من ذلك محمول على اوقات متعددة واحوال مختلفة

صحیح بات تو یہ ہے کہ جو کچھ حضرت عائشہؓ نے نقل فرمایا ہے وہ مختلف اوقات متعدد واقعات پر محمول ہوگا۔ (فتح الباری ج/۳ ص/۱۴)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

فان الحديث الاول اخبار عن صلاته المعتادة الغالبة والثانى اخبار عن زيادة وقعت فى بعض الاوقات. (تنوير الحوالك ص/۱٤۲ ج/۱)

یقیناً حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت میں اکثری معمول اور عادت غالبہ کا بیان

ہے اور دوسری روایت میں اس زیادتی کا تذکرہ ہے جو کبھی کبھی وقوع میں آتی تھی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان اخبارها باحدى عشرة هو الاغلب وباقى رواياتها اخبار منها كان يقع نادراً فى بعض الاوقات (نووی جلد/۱ ص/۲۵۳)

بلا شبہ حضرت عائشہؓ کا گیارہ رکعت نقل کرنا اکثر حالت سے متعلق ہے اور ان کی دوسری روایتوں میں اس (زیادتی) کا ذکر ہے جو بعض وقت اور کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

اکثر محدثین جنہوں نے حدیث عائشہ کے اضطراب کو غلط قرار دیا ہے انہوں نے اضطراب کو دور کرنے کے لئے یہی توجیہ اختیار فرمائی ہے اور اس کے علاوہ دوسری توجیہات وتاویلات کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن وہ قابل قبول اور کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ تمام نشیب وفراز پر نگاہ ڈالنے کے بعد سب سے زیادہ قوی ومضبوط توجیہ یہی ہے کہ گیارہ رکعت پڑھنا اکثری معمول قرار دیا جائے اور تیرہ یا اس سے زائد پڑھنا بھی ثابت تسلیم کیا جائے مگر وہ بعض وقت اور کبھی کبھی پڑھنے کا معمول سمجھا جائے۔ بہر حال آٹھ رکعت میں حصر صرف انہیں لوگوں کے نزدیک درست ہے جو حضرت عائشہؓ کو مضطرب قرار دیتے ہیں ورنہ تمام محدثین اس حصر کو جو سرسری طریقہ پر حدیث عائشہؓ سے مفہوم ہوتا ہے غلط ہی قرار دیتے ہیں اور اس میں تاویل وتوجیہہ ضرور کرتے ہیں۔

حدیث عائشہ کے خلاف خود حضرت عائشہؓ کی دوسری روایتوں کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ کی روایت کردہ حدیثیں بھی ہیں مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو بخاری ومسلم دونوں میں ہے بلکہ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے:

(۱) **عن كريب ان ابن عباس اخبره انه بات عند ميمونة وهى خالته فاضطجعت فى عرض الوسادة واضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم واهله فى طولها فنام حتى انتصف الليل او قريباً منه فاستيقظ يمسح النوم عن وجهه ثم صلى ركعتين ثم**

ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم اوتر ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن فقام فصلى ركعتين ثم خرج فصلى الصبح .

(بخاری اول ص/۱۳۵)

حضرت کریب راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا ہے کہ وہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات کے وقت تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں تکیہ کے عرض میں لیٹ رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجۂ محترمہ تکیہ کے طول میں محو استراحت ہوگئیں، حضورؐ سوگئے حتی کہ جب آدھی رات یا اس سے قریب گذر گیا تو آپ بیدار ہوئے اور چہرے سے نیند دور فرمائی پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی اس کے بعد دو رکعت پڑھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی تب پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے یہاں تک کہ جب موذن آپ کی خدمت میں آیا تو آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت پڑھ کر صبح کی فرض نماز ادا فرمائی

یہ حدیث مسلم مع نووی ج/۱ص/۲۶۰ نسائی ص/۲۴۱ موطا مالک مع تنویر ج/۱ص/۱۴۲ نیز ابوداؤد وغیرہ میں ہے علامہ عینی فرماتے ہیں ورواہ الائمۃ الستۃ ج/۷ ص/۲۰۳ یعنی اس حدیث کو صحاح ستہ میں سارے ائمہ نے نقل فرمایا ہے:

اس حدیث میں سنت فجر اور سنت عشار کے علاوہ بارہ رکعت پڑھنے کی صراحت موجود ہے، ابن عباسؓ کی اس مرفوع متصل روایت کے علاوہ زید ابن خالد الجہنی کی یہ روایت بھی حدیث عائشہ کے حصر کو باطل کر دیتی ہے۔

(۲) عن زيد بن خالد الجهنى انه قال لارمقن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى ركعتين خفيفتين ثم صلى ركعتين طويلتين طويلتين طويلتين ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم اوتر فذلك

ثلث عشرة ركعة. (مسلم مع نووی ج/۱ ص/۲۶۲)

حضرت زید بن خالد جہنی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضرور غور سے دیکھوں گا فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دو رکعت معمولی نماز پڑھی اس کے بعد دو رکعت لمبی دراز یعنی بہت لمبی نماز ادا فرمائی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی جو پہلی دو رکعت سے کم دراز تھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی جو اس کے پہلے والی سے کم دراز تھی اس کے بعد دو رکعت اور پڑھی جو اس کے پہلے والی سے دراز کم تھی پھر اس کے بعد دو رکعت پڑھی جو اس پہلے والی سے دراز کم تھی، پھر وتر ادا فرمایا تو یہ کل تیرہ رکعت ہوئیں۔

یہ روایت بھی مسلم کے علاوہ موطا مالک[1] مع تنویر ج/۱ص/۱۴۳ مشکوۃ ص/۱۰۶ ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ اور شمائل ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ دیکھئے عمدۃ القاری ج/۷ ص/۲۰۳

اس حدیث میں بھی علاوہ سنت فجر و سنت عشار بارہ رکعت پڑھنا مذکور ہے، سنت فجر اور سنت عشار اس میں شامل نہیں ہے دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج/۲ص/۳۷ اور سنت فجر یا عشار کا شامل کرنا حدیث کے ظاہر الفاظ کے خلاف بھی ہے کیوں کہ زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے قصداً جس نماز کے دیکھنے کا ارادہ فرمایا تھا وہ ان کے الفاظ میں رات کی نماز ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فجر کے وقت کے پہلے ہی وہ نماز پڑھی گئی تھی لہذا سنت فجر کو اس میں شامل کرنا زبردستی کی بات ہے اور سنت عشار تو کوئی مخفی نماز نہ تھی کہ خواہ مخواہ حضرت زید اس کے دیکھنے کا قصداً اہتمام فرماتے اب یہ بھی غور فرمائیے کہ تیرہ رکعت تک جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں محدثین کی طرف سے

[1] موطا کے راویوں میں یحیی بن یحیی نامی ایک راوی ہیں جن سے روایت میں دو غلطیاں ہوگئی ہیں اول یہ کہ پہلی دو رکعتوں میں انہوں نے خفیفتین کی جگہ طویلتین کہہ دیا ہے اور دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے طویلتین دو مرتبہ کے بجائے تین مرتبہ کہہ دیا ہے اس میں یحیی کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ ان کی غلطی ہے۔ لہذا ہمارے استدلال پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا (دیکھئے تنویر الحوالک ج/۱ص/۱۴۳)

اس قسم کی تاویل وتوجیہ پیش کی گئی ہے:

(۱) دو رکعت عشار کی سنت بھی اس میں شامل کر لی گئی ہے

(۲) دو رکعت فجر کی سنت کو اس میں شمار کر لیا گیا ہے۔

(۳) وتر تین رکعتوں سے زیادہ پڑھی گئی تھی اس لئے تیرہ رکعتیں ہوگئیں ورنہ اصل نماز تو آٹھ ہی رکعت تھی لہذا رکعتوں کی زیادتی وتر میں ہوئی ہے نہ کہ تراویح میں۔

(۴) تراویح کی آٹھ رکعتوں سے قبل معمولی دو رکعت پڑھنے کا معمول تھا لیکن چونکہ وہ آٹھ لمبی رکعتوں سے مختصر ہوتی تھیں اس لئے بعض میں ان کا ذکر نہیں کیا اور بعض حدیثوں میں ان کا ذکر کر دیا گیا اس لئے آٹھ سے زیادہ رکعت ہوگئی ہے۔ اسی قسم کی تاویلات غیر مقلدین حضرات کی طرف سے بھی پیش کی جاتی ہیں چنانچہ مولوی علی احمد صاحب اظہار الحق الصریح ص ۱۲/ پر تحریر فرماتے ہیں:

رہا تیرہ تو اس کے متعلق جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں محدثین کرام برابر صراحت کرتے چلے آئے ہیں کہ تیرہ رکعتوں میں بعض جگہ تو خود ہی حضرت عائشہ نے صراحت کر دی ہے فجر کی دو رکعت سنتوں کو لے کر تیرہ رکعتیں پڑھیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھا گیا **فقالت سبع وتسع واحدیٰ عشرۃ سوی رکعتی الفجر** یعنی انہوں نے بتلایا کہ سات اور نو اور گیارہ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ تھی اس کے بعد ہی بخاری میں دوسری حدیث ہے **یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ منھا الوتر ورکعتی الفجر** یعنی تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی ہوتی تھیں کہیں فجر کے علاوہ تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے تو اس میں فرض عشار کے بعد سنتوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں پڑھا کرتے

تھے اس کی اور بھی کئی صورتیں ہیں جن سے گیارہ سے زیادہ کا حصر باطل نہیں ہوتا" انتہی بلفظہ۔

مولوی علی احمد صاحب نے اسی بات کو دوبارہ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷/ وصفحہ ۳۸/ پر ذکر فرمایا ہے لیکن احمد صاحب کی یہ ساری تاویلیں غلط اور بے سود ہیں جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

اوّلاً

اس لئے کہ گذشتہ صفحات میں بخاری ودیگر کتابوں کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ بارہ رکعتیں وتر اور سنت فجر کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً آدھی رات کے وقت خواب سے بیدار ہو کر پڑھی ہیں لہذا سنت فجر کے شامل کرنے کا تو سوال ہی ختم ہو جاتا ہے رہی سنت عشار کو شامل کرنے کی تاویل تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ عشار کی سنت کو بھی اس حدیث میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خواب سے بیدار ہو کر تقریباً آدھی رات کے وقت عشار کی سنت کا ادا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے پھر زبردستی اس روایت میں اس کو شامل کرنا ایک بے بنیاد اور بالکل بے ثبوت بات ہوگی، البتہ کوئی غیر مقلد اگر سنت عشار کو آدھی رات کے وقت خواب سے بیدار ہو کر پڑھنا ثابت کر دے تو اس روایت میں اس کا شامل کرنا درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ثانیاً

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ پہلی دو رکعتیں جو معمولی اور ہلکی ہوتی تھیں وہ عشار کے متصل نہیں پڑھی گئی تھیں بلکہ تراویح یا تہجد میں انہیں لمبی لمبی دس رکعتوں کے ساتھ ادا کی گئی تھیں کیا مولوی علی احمد یا کوئی دوسرے غیر مقلد صاحب کسی صحیح روایت سے اس بات کا ثبوت فراہم کر سکتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی تہجد کے ساتھ ملا کر عشاء کی سنت پڑھی ہے پھر محض کسی کے احتمال نکال دینے سے کوئی بات کیونکر درست ہو جائیگی جبکہ وہ بات ہی سرے سے بے ثبوت ہے علاوہ بریں عشاء کی سنت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں ادا فرماتے تھے جہاں ازواج مطہرات بھی ہوتی تھیں اور راوی زید بن خالد ہیں جو غیر محرم ہیں تو کیا حجرہ میں سنت عشاء پڑھتے ہوئے زید بن خالد دیکھ رہے تھے اور آپ کی ازواج مطہرات زید بن خالد جہنی سے پردہ نہ فرمایا کرتی تھیں؟ ان امور کے علاوہ بعض باتوں کی طرف اشارہ پہلے بھی کر چکا ہوں جن کی وجہ سے زید بن خالد کی حدیث میں سنت عشاء کے شامل کرنے کی تاویل محض بے کار اور بے بنیاد احتمال کے سوا کچھ نہیں ٹھہرتی۔

ثالثاً

حدیث میں سنت عشاء کمرہ میں پڑھنا تو ثابت ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ میں آتا ہے **ورکعتین بعد العشاء فی بیته** بخاری ج۱/ص۱۵۷/ یعنی دو رکعت بعد نماز عشاء اپنے حجرہ میں ادا فرمایا کرتے تھے لیکن یہ بات تو کسی حدیث سے ثابت کرنا مشکل ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد عشاء کی سنت ادا فرماتے تھے یا تہجد اور تراویح کے ساتھ آدھی رات میں ادا فرماتے تھے۔

رابعاً

مسلم مع نووی ج۱/ص۲۵۴/ اور دوسری کتابوں میں حضرت عائشہؓ سے علاوہ سنت فجر جو تیرہ رکعت پڑھنا منقول ہے اس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے **یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وهو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع ثم یصلی رکعتین بین النداء والاقامة من صلوة الصبح** یعنی دو رکعتیں وتر کے بعد بیٹھ کر ادا فرمائی جاتی تھیں لہٰذا عشاء کی سنت کو ان

تیرہ رکعتوں میں شامل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وتر کے بعد بھی عشاء کی سنت پڑھنا درست ہے، کیا بعد وتر عشاء کی سنت بیٹھ کر پڑھنے کا جواز کسی صحیح حدیث سے غیر مقلد حضرات ثابت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو خواہ مخواہ سنت عشاء کو ان تیرہ رکعتوں میں شامل کرنا زبردستی کی بات نہیں تو اور کیا ہے۔

خامساً

سنت عشاء کو ان رکعتوں میں شامل کرنے کی تاویل کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں:

وتأوّلوا حدیث ابن عباس انه صلی الله علیه وسلم صلی منها رکعتی سنة العشاء وهو تاویل ضعیف مباعد الحدیث.

(مسلم مع نووی ج۱/ ص۲۶۰/)

لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں یہ تاویل کر لی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رکعتوں میں دو رکعت عشاء کی سنت بھی شامل کر لی تھی، یہ تاویل نہایت ضعیف ہونے کے علاوہ حدیث سے دور کر دینے والی بھی ہے۔

کیا غیر مقلدین حضرات اسی تاویل کو اختیار اور پسند فرماتے ہیں جو صرف یہ کہ حد درجہ کمزور ہے بلکہ عمل بالحدیث سے بھی دور کر دیتی ہے۔

سادساً

بارہ رکعت سنت عشاء وسنت فجر و وتر کے علاوہ پڑھنا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح خود حضرت عائشہ ہی کے ذریعہ مروی ہے تو پھر سنت عشاء یا سنت فجر کو اس میں شامل کرنا غلط ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مسلم مع نووی جلد اول ص۲۵۶/ ونسائی مجتبائی ص۲۳۸/ وبیہقی میں حضرت عائشہ سے یہ روایت موجود ہے:

اذافاتته الصلوٰة من الليل من وجع او غيره صلى من النهار ثنتى عشرة ركعة. (مسلم ج/۱ ص/۲۵۶)

فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی تکلیف وغیرہ کی وجہ سے رات کی نماز رہ جاتی تھی تو آپ دن میں بارہ رکعت قضا کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ رات والی نماز چھوٹ جاتی تھی تو دن کے وقت ان کی قضا بارہ رکعت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اس سے اظہر من الشمس ہوگیا کہ رات کی بارہ رکعتوں میں ہر وقت سنت عشاء یا سنت فجر شامل نہیں ہوتی تھی بلکہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نماز ہیں کیونکہ تراویح کی قضا نہ پڑھی جاتی ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے[1] اس کے برخلاف تہجد کی قضا اس حدیث میں واضح طریقہ سے مذکور ہے لہذا ثابت ہوا کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں اور دونوں کے احکام بھی الگ الگ ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ تیرہ رکعتوں والی احادیث میں یہ تاویل کرنا کہ وتر کی رکعتوں میں زیادتی ہوتی تھی یہ بھی بالکل غلط ہے کیوں کہ اس روایت میں نہ وتر کی رکعتوں کا کوئی ذکر ہے نہ اس کی قضا کا تذکرہ ہے پس معلوم ہوا کہ وہ زیادتی تراویح یا تہجد کی رکعتوں میں ہوتی تھی نہ کہ وتر کی اور وتر کی رکعتوں میں اضافہ اس لئے بھی غلط ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں بحوالہ بخاری سات اور نو رکعتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے لہذا جب اس کمی کو وتر کی رکعتوں میں تسلیم نہیں کیا جاتا تو اضافہ بھی وتر میں کیوں مانا جائے جبکہ ظاہر یہی ہے کہ کمی اور زیادتی دونوں ایک ہی نماز میں ہوا کرتی تھی بنابریں صحیح بات یہی ہے کہ اضافہ اور کمی کبھی کبھی جو وقوع میں آئی ہے وہ درحقیقت تراویح یا تہجد کی ہی رکعتوں میں ہوئی

[1] اور اگر کوئی غیر مقلد اسی حدیث سے تراویح کی قضا پر استدلال کرے تو اس سے کہا جائیگا کہ آٹھ رکعت میں تراویح کے حصر کا جو دعوی ہے پہلے اس کا غلط ہونا تسلیم کیجئے ورنہ آٹھ رکعت تراویح کی قضا کے ثبوت کے لئے کوئی دوسری حدیث پیش فرمائیے۔ ۱۲

ہے نہ کہ وتر میں لہذا بعض محدثین نے جو چار تاویلیں پیش فرمائی تھیں ان میں سے تین تو بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئیں کیوں کہ وہ ہر جگہ نہیں چسپاں کی جاسکتی ہیں۔ البتہ آخری ایک توجیہ کچھ قوت رکھتی ہے اور بہتر معلوم ہوتی ہے چنانچہ متعدد محدثین نے اس کو راجح اور مختار بھی فرمایا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث عائشہؓ کے اضطراب کو بیان کرتے ہوئے اس کے دور کرنے کے لئے اس تاویل کا تذکرہ بایں الفاظ فرمارہے ہیں:

سياتى بعد خمسة ابواب ان رواية ابى سلمة عنها ان ذلك كان اكثر ما يصليه فى الليل ولفظه ماكان يزيد فى رمضان ولا غيره علىٰ احدى عشرة الحديث وفيه مايدل على ان ركعتى الفجر من غيرها فهو مطابق رواية القاسم واما ما رواه الزهرى عن عروة عنها كما سياتى فى باب ما يقرأ فى ركعتى الفجر بلفظ ان يصلى بالليل ثلاث عشرة فظاهره يخالف ما قدّم فتحتمل ان تكون اضافت الى صلوٰة الليل سنة العشاء لكونه يصليها فى بيته وما كان يفتتح به صلوٰة الليل فقد ثبت عند مسلم من طريق سعد بن هشام عنها انه كان يفتتحها بركعتين خفيفتين وهٰذا ارجح فى نظرى لان رواية ابى سلمة التى دلت على الحصر فى احدى عشرة جاء فى صفتها عند المصنف وغيره يصلى اربعاً ثم اربعاً ثم ثلاثاً فدل على انها لم تتعرض للركعتين الخفيفتين وتعرضت لهما فى رواية الزهرى والزيادة من الحافظ مقبولة وبهذا يجمع بين الروايات. (فتح البارى ص/۶۰۱ ج/۵)

پانچ بابوں کے بعد قریب میں ہی ابوسلمہ کی روایت حضرت عائشہ سے آرہی ہے کہ گیارہ رکعت پڑھنا اکثری معمول تھا اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھا کرتے تھے مگر زیر بحث روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ان گیارہ رکعتوں

میں فجر کی سنت شامل نہ ہوتی تھی بنا بریں یہ روایت حضرت قاسم کی روایت کے
مطابق ہے لیکن زہری نے جو عروہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے
جس کا ذکر باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر میں بایں الفاظ آرہا ہے کہ حضور
رات میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے تو یہ حدیث بظاہر گذشتہ روایت کے خلاف ہے لیکن
ممکن ہے حضرت عائشہ نے اس تیرہ والی روایت میں عشار کی سنت بھی شمار کر لی ہو
کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشار کی سنت حجرۂ مبارکہ میں ہی پڑھا کرتے تھے اور
یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہ نے ان دو رکعتوں کو شامل کر لیا ہو جو صلوٰۃ اللیل کے
شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جیسا کہ مسلم کے اندر سعد بن ہشام
نے خود حضرت عائشہؓ سے ہی اس بات کو روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات
کی نماز دو معمولی اور ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے میری نگاہ میں یہی تاویل
زیادہ راجح ہے اس لئے کہ ابوسلمہ کی روایت جس کے ذریعہ گیارہ رکعت کے حصر پر
استدلال کیا جاتا ہے اسکی کیفیت امام بخاری اور دوسرے محدثین کے نزدیک یہ آئی
ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھتے تھے پھر چار رکعت پڑھتے تھے اس کے بعد تین رکعت
پڑھتے تھے تو یہ چار چار کی کیفیت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دو ہلکی
رکعتوں کا جو ابتدار میں پڑھی جاتی تھیں ان کا تذکرہ ابوسلمہ کی گیارہ والی حدیث میں
چھوڑ دیا ہے اور ان کا تذکرہ زہری والی حدیث میں کر دیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ صحیح
الحفظ راوی کی زیادتی قبول کر لی جاتی ہے نیز اس توجیہ کے ذریعہ حضرت عائشہ کی
تمام روایتوں میں جمع و توفیق بھی ہوجاتی ہے۔

حافظ ابن حجر کے اس طویل بیان سے دو باتیں بالکل صاف طریقہ پر معلوم
ہوجاتی ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ حدیث عائشہ جس سے سرسری طریقہ پر گیارہ رکعتوں میں
حصر سمجھا جاتا ہے وہ درحقیقت حصر نہیں ہے بلکہ اکثری معمول ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے جن روایتوں میں تیرہ رکعتیں منقول

ہیں ان میں راجح یہی ہے کہ سنت عشار یا سنت فجر شامل نہیں ہیں بلکہ وہ دو رکعتیں
شامل ہیں جو صلوٰۃ اللیل کی ابتدار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے تاکہ
چستی پیدا ہوجائے اور نیند کا غلبہ دور کر کے نشاط کے ساتھ بقیہ رکعتوں کو ادا کیا جا سکے
ان دو رکعتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کبھی شمار کر لیا اور کبھی ان دو رکعتوں کو شمار
نہیں کیا ہے جن روایتوں میں تیرہ رکعتوں کا تذکرہ ہے ان میں یہ دونوں رکعتیں شامل
کر لی گئیں ہیں اور جن میں گیارہ کا تذکرہ ہے ان میں یہ دونوں رکعتیں شمار نہیں کی گئی
ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ گیارہ کا حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ وہ عادت غالبہ اور
اکثری معمول کی ایک تعبیر ہے اس کو حقیقی حصر سمجھ کر زیادتی کا انکار کرنا غلط ہے یہی
بات حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک راجح و مختار ہے دوسرے محدثین نے بھی اسی تاویل کو
پسند فرمایا ہے چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری جو غیر مقلدین کے جلیل القدر عالم
ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

**فالاحسن فی الجواب ان یقال انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان
یفتتح صلوته باللیل برکعتین خفیفتین کما فی هذا الحدیث وروی
مسلم عن عائشةؓ قالت کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا قام
من اللیل افتتح صلوته برکعتین خفیفتین وروی ایضاً عن ابی هریرة
عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح
صلوته برکعتین خفیفتین فقد عدّت هاتان الرکعتان الخفیفتان فصار
قیام اللیل ثلث عشرة رکعة ولما لم تُعَدّ لما کان رسول اللّٰه علیه
وسلم یخففهما صار احدی عشرة رکعة واللّٰه اعلم.**

(تحفة الاحوذی ص/ ۷۴ ج/ ۲)

بہتر جواب یہی ہے کہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صلوٰۃ اللیل دو
ہلکی رکعتوں سے شروع فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث زید بن خالد جہنی میں آیا
ہے اور مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنی نماز دو مختصر رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ نیز مسلم ہی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ان کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص صلوٰۃ اللیل کا ارادہ کرے تو نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے لہذا جب ان دو ہلکی رکعتوں کو شمار کرلیا گیا تو قیام اللیل کی تیرہ رکعتیں ہوگئیں اور جب ان دونوں رکعتوں کو اس وجہ سے شمار نہ کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مختصر طریقہ پر ادا کرتے تھے تو قیام اللیل کی گیارہ رکعتیں ہوئیں۔

مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری کے اس بیان سے بھی وہی دونوں باتیں معلوم ہوئیں جن کا تذکرہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے تحت آچکا ہے لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بالکل اسی خیال کا اظہار علامہ زرقانی نے حافظ بن حجر کے انداز میں فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

فیحتمل انها اضافت صلوٰة الیٰ اللیل سنة العشاء لانه کان یصلیها فی بیته او ما کان یفتتح به صلوٰة اللیل کما فی صحیح مسلم من طریق سعد بن هشام انه کان یفتحها برکعتین خفیفتین وهذا ارجح فی نظری. (تحفة الاخيار ص/٢١٢)

ممکن ہے حضرت عائشہؓ نے تیرہ والی حدیث میں عشاء کی سنت بھی شامل کرلی ہو اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے حجرہ میں ادا فرماتے تھے یا حضرت عائشہؓ نے تیرہ والی حدیث میں ان دو رکعتوں کو شمار کرلیا ہو جو رات کی نماز کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں سعد بن ہشام کے طریق سے مروی ہے کہ رات کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو معمولی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ یہی بات میرے خیال میں قابل ترجیح ہے۔

محدثین کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت عائشہؓ کا حصر اپنے ظاہر حال پر باقی نہیں ہے جس کا غیر مقلد حضرات کو دعوی ہے بلکہ

جملہ محققین کے نزدیک کم از کم دس رکعتیں وتر نیز سنت فجر اور سنت عشاء کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہے جس کا انکار کا مطلب بے شمار صحیح، مرفوع، متصل حدیثوں کی تکذیب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے بنا بریں حصر کا دعوی باطل ہے اور آٹھ سے زائد رکعتوں کا ثابت ہونا جملہ محدثین کی نگاہ میں راجح اور صحیح ہے۔

غیر مقلدین کا دعوئ حصر باطل ہے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رکعات کی تعداد کے متعلق جو مختلف روایتیں بسند صحیح منقول ہیں ان کے درمیان جمع وتطبیق کے سلسلہ میں محدثین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آپ ملاحظہ کرچکے جن کا حاصل یہی نکلتا ہے آٹھ رکعتوں میں حصر کا ماننا کسی حالت میں درست نہیں ہے اور کم از کم دس رکعتوں کا تسلیم کرنا ایک ناگزیر حقیقت ہے جن میں وہ دو رکعتیں بھی شامل ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد یا تراویح کی ابتداء فرمایا کرتے تھے اگرچہ بحوالہ مسلم بارہ رکعت کا رات میں پڑھنا اور کسی وجہ سے چھوٹ جانے کی صورت میں بارہ رکعت سے اس کی قضا کرنا گذر چکا ہے جس کے بعد آٹھ رکعت میں حصر کا دعوی علم حدیث سے بےخبری یا تجاہل عارفانہ ہی کہا جائے گا لیکن آئندہ صفحات میں آٹھ رکعت میں حصر کے دعوی کا باطل ہونا دوسری صحیح روایات کے ذریعہ بھی واضح کیا جائیگا اور اس وقت یہ بات روشن ہو جائیگی کہ محدثین نے جس تاویل کو قابل ترجیح اور احسن فرمایا ہے وہ اگرچہ دوسری تاویلوں کی نسبت سے ان کے کہنے کے مطابق ویسے احسن ہی ہے لیکن اس سے بھی بہتر اور بے غبار حقیقت وہی ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے صواب فرمایا ہے یعنی یہ کہ مختلف اوقات اور متعدد واقعات پر رکعتوں کے اختلاف کو محمول کیا جائے اس طرح حضرت عائشہؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے جو روایتیں مروی ہیں ان سب کے درمیان جمع وتطبیق ہو جائے گی اور سب روایتیں مختلف اوقات پر فٹ کرلی جائیں گی جس کے بعد اختلاف وتضاد کا کوئی سوال ہی باقی نہیں

رہتا ہے اگر حدیث میں لفظ کان کی وجہ سے دوام نظر آرہا ہو تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ لفظ ''کان'' ہمیشہ دوام واستمرار ہی کا معنی نہیں دیا کرتا ہے بلکہ ایک مرتبہ فعل کا وقوع پذیر ہو جانا بھی اس لفظ کے مفہوم کو ادا کر دیتا ہے چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان المختار الذی علیه الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لا یلزم منها الدوام ولا التکرار وانما هی فعل ماضی یدل علی وقوعه مرة . (نووی ج/۱ ص/۲۵۴).

بلا شبہ مذہب مختار جس پر اکثر لوگ ہیں اور جو اصولیین میں سے محققین کا مذہب ہے وہ یہ ہیکہ لفظ کان کے لئے دوام وتکرار ضروری نہیں ہے بلکہ یہ لفظ تو فعل ہے جو ایک مرتبہ کے وقوع پر دلالت کرتا ہے اور بس۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ کان[1] صرف ایک بار وقوع فعل چاہتا ہے تو گویا یہ موجبہ جزئیہ ہے یعنی ایجاب وجزئی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا ''ما کان'' جو اس کا سلب ہے وہ سالبہ جزئیہ اور جزئی نفی پر ہی دلالت کریگا بنا بریں ''ما کان'' سے دوام مراد لینا اسی طرح باطل ہے جس طرح سعید بن المسیب کی روایت میں لم تبق سے مسلب کلی اور انکار مطلق مراد لینا غلط ہے بلکہ دونوں جگہوں پر اکثری حکم ہی مراد لینا درست ہے جیسا کہ محدثین نے اس کی صراحت کر دی پھر ان بحثوں سے قطع نظر کرتے ہوئے درج ذیل باتوں پر غور کرنے سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ خود حضرت عائشہؓ دوامی عمل کیوں کر بیان فرما سکتی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات کے حجروں میں جب رات گذارنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معلوم اور ضروری معاملہ ہے تو پھر حضرت عائشہؓ ہمیشہ کے معمول پر کیسے مطلع ہو سکتی ہیں کہ وہ دوامی عمل

[1] اگر بالفرض لفظ ''کان'' سے دوام واستمرار سمجھا جائے گا تو تیرہ اور سولہ اور بیس رکعتوں والی روایتوں میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔۱۲

روایت فرمائیں گی لہٰذا دوامی عمل کی نقل حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کرنا خود حضرت عائشہؓ کے لئے خلاف شان ہے کیونکہ دوامی اطلاع کے بغیر دوام کی روایت کرنا غیر محتاط لوگوں سے تو ممکن ہے لیکن حضرت عائشہؓ کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں بسا اوقات کسی زوجۂ مطہرات خصوصاً حضرت عائشہؓ کے بغیر راتوں میں رہنا معلوم اور یقینی امر ہے، ظاہر ہے ان راتوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہوگی پھر حضرت عائشہؓ کا ہر رات کی رکعتوں پر مطلع ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے ایسی صورت میں وہ ہر رات کی نماز کی رکعتوں کو اور دوامی معمول کو کیوں کر بیان فرمائیں گی؟

(۳) خاص حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام دائمی طور پر بفرض محال تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہمیشہ رات کی نماز کی رکعتوں کا ان کے علم میں آجانا مشکل بات ہے کیونکہ وہ خود فرماتی ہیں کہ بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ حضورؐ ہمارے حجرہ میں رات کے وقت نماز میں مشغول ہوتے تھے اور میں بے خبر سوئی رہتی تھی حتیٰ کہ جب آپ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھ کو اس وقت بیدار کر دیتے اور میں بیدار ہو جاتی تھی اس وقت گھر میں چراغ بھی نہ ہوتا تھا غور کرنے کی بات ہے اندھیرے کمرہ میں سویا رہنے والا آدمی رکعتوں کی تعداد پر ہمیشہ مطلع کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے دوامی اطلاع کے بغیر حضرت عائشہؓ کی طرف اس کی روایت منسوب کرنا ان کی شانِ رفیع میں بہت بڑی جسارت ہے اور حضرت عائشہؓ کی تکذیب ہے کیونکہ وہ فرماتی ہیں:

کان یصلی صلوته باللیل وهی معترضة بین یدیه فاذا بقی الوتر ایقظها فاوترت. (مسلم ص/۲۵۵ ج/۱)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور رات کی نماز میں مشغول رہتے تھے اور وہ ان کے سامنے سوئی رہتی تھیں حتیٰ کہ جب صرف وتر باقی رہ جاتا تو حضور انکو بیدار کر دیتے اور وہ وتر ادا فرماتی تھیں۔

یہی حدیث بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

قالت کنت انام بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجلای فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت واذا قام بسطتھما قالت والبیوت یومئذٍ لیس فیھا مصابیح۔ (بخاری اول ص/۵۶)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی تھی میرے دونوں پاؤں حضورؐ کے قبلہ کی جانب ہوتے تھے حضور سجدہ میں جاتے میرے پاؤں دبا دیتے میں اپنے دونوں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب حضورؐ کھڑے ہو جاتے میں اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیتی تھی نیز حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

یہ حدیث مؤطا امام مالک مع تنویر ص/۱۳۹ جلد اول پر بھی موجود ہے کیا کوئی شخص ہوش وحواس قائم رہتے ہوئے حضرت عائشہؓ کی کسی روایت سے ان کے اس مستند بیان کے سامنے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ انہوں نے حضور کا دائمی معمول نقل فرمایا ہے یا یہ کہ ان کو ہمیشہ رکعتوں کی تعداد کا علم ہو جاتا تھا اس جگہ یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ابتک کی ساری گفتگو تو صرف ان روایات کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں یا صرف اتنی رکعتوں کو بیان کرتی ہیں جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہیں اور وہ روایتیں بخاری ومسلم یا ان میں سے کسی ایک میں مروی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں لیکن اگر دائرہ گفتگو میں تھوڑی وسعت سے کام لیا جائے اور تمام ذخیرۂ حدیث کی روشنی میں رکعتوں کی تعداد معلوم کی جائے تو حصر کا دعوی کرنے والوں کے لئے کسی ضعیف سے ضعیف توجیہ کا سہارا بھی باقی نہیں رہ سکتا ہے اور اس بات کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں

ہے کہ رکعتوں کا اختلاف مختلف حالات اور واقعات کی وجہ سے روایتوں میں پیدا ہو گیا ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبل کی زیادات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ست عشرۃ رکعۃ سوی المکتوبۃ۔

ھیثمی ج/۲ ص/۲۷۲، تھذیب التھذیب ج/۵ ص/۴۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں فرض نماز کے علاوہ سولہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر کے استاد علامہ ہیثمی فرماتے ہیں رجالہ ثقات یعنی اس حدیث کے تمام راوی معتبر اور ثقہ ہیں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں اسنادہ حسن (عمدۃ القاری ج/۷ ص/۲۰۳)

یعنی اس حدیث کی سند حسن ہے نیز حافظ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو قبول کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل ظاہر کیا ہے ان کا رد فرماتے ہیں اور اس حدیث کی صحت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت تعصب الجوزجانی علی اصحاب علی معروف ولا انکار علیٰ عاصم فیما روی ھذہ عائشۃؓ اخص ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقول لسائلھا عن شیء من احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سل علیا فلیس بعجب ان یروی الصحابی شیئا یرویہ غیرہ من الصحابۃ بخلافہ ولا سیما فی التطوع۔

(تھذیب التھذیب ج/۵ ص/۴۶)

میں کہتا ہوں کہ جوزجانی کا تعصب حضرت علیؓ کے شاگردوں کے معاملہ میں مشہور و معلوم ہے حالانکہ حضرت عاصم بن حمزہ جنہوں نے یہ سولہ رکعت کی روایت کی ہے اس میں ان پر انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ حضرت عائشہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی بہت خاص ازواج میں سے ہیں مگر جب کوئی شخص ان سے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے حالات دریافت کرتا تو فرمادیتی تھیں کہ حضرت علیؓ سے معلوم کرلو لہٰذا اس میں
تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ ایک صحابی کسی بات کو ایک طرح نقل کرے اور دوسرا اس
کے خلاف اسی بات کو دوسری طرح نقل کرے خاص کر نفل نماز کے متعلق تو تعجب
کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے بیس رکعت کو اشارتاً تسلیم کرلیا ہے

اس حدیث سے کسی تاویل کے بغیر سولہ رکعت پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور اگر
یہ کہا جائے کہ ان سولہ رکعتوں میں وہ دو مختصر اور معمولی رکعتیں شمار نہیں کی گئی ہیں جو
رات کی نماز کے ابتداء میں پڑھنے کا معمول تھا اور وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھی
جانے والی نماز بھی اس میں شامل نہیں ہے جیسا کہ بحوالہ مسلم پہلے یہ دونوں بات گذر
چکی ہے لہٰذا ان چار رکعتوں کو شامل کرلینے کے بعد بیس رکعت تراویح بسند صحیح یا کم از کم
بسند حسن ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے بلکہ اس سے زائد کی روایت کے قبول
کرنے میں بھی حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق تردد کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ صحابہ
کرام کسی بات کے نقل کرنے میں مختلف ہو ہی جاتے ہیں بالخصوص نماز نفل کے
بارے میں تو اس کی بہت گنجائش ہے، اور ابن حجر کی اس تصریح سے حدیث ابن عباسؓ
کے قبول کرنے کی تائید ہوتی ہے لہٰذا بیس رکعتوں کے لئے انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں
رہ جاتی اور نہ روایت ابن عباسؓ کو دوسری صحیح حدیثوں کے معارض ومخالف کہہ کر رد
کرنے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے جب کہ یہ بات اپنی جگہ سب کو معلوم ہے کہ
رکعتوں کا اختلاف کسی ایک ہی واقعہ کے سلسلہ میں نہیں ہے بلکہ مختلف واقعات سے
متعلق ہے حدیث ابن عباسؓ پر تو تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی
یہاں صرف اس مناسبت سے اس کا نقل کردینا ضروری سمجھا گیا کہ ابن حجر نے اس کو
قبول کرنے کی طرف بھی اپنی آخری عبارت میں اشارہ کردیا ہے حضرت ابن عباسؓ کی

روایت یہ ہے:

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان
غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر۔ (بیهقی اول ص ۴۹۶)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں
جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

ان احادیث اور ان سے متعلق محدثین کرام کی تصریحات کو سامنے رکھنے
کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار ہوجاتی ہے کہ جو لوگ حنفیوں کی مخالفت میں صرف
آٹھ ہی رکعتیں ہمیشہ پڑھتے ہیں اور صرف اسی مقدار کو جائز وسنت سمجھتے ہیں اس
سے زائد کو کسی طرح روا نہیں سمجھتے وہ نہ صرف یہ کہ حدیث ابن عباسؓ کے خلاف
کرتے ہیں بلکہ بے شمار دوسری صحیح مرفوع متصل روایتوں کی تکذیب بھی کرتے ہیں
یا کم از کم یہ کہ ان روایتوں پر ان کا عمل نہیں ہو پاتا ہے اس لئے اگر ان کو کہا جائے کہ
وہ عامل بالحدیث نہیں بلکہ تارکِ حدیث ہیں تو کوئی بیجا نہ ہوگا پس حدیث ابن عباسؓ
کو ضعیف کہہ کر آٹھ سے زائد رکعتوں کے ثبوت سے وہ اپنی گلوخلاصی کیلئے اور انکارِ
حدیث کے لئے جو راستہ اختیار کرتے ہیں وہ نہایت شرمناک ہے اور صحیح حدیثوں کی
تضحیک کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

اس جگہ ایک مغالطہ بھی بعض غیر مقلدین حضرات دیا کرتے ہیں وہ یہ کہ اگر
بیس رکعتوں کے پڑھ لینے سے آٹھ رکعتوں کی حدیث پر عمل ہوجاتا ہے تو ایسی صورت
میں بیس کی تحدید کیوں ہے چالیس اور چھتیس رکعتیں کیوں نہ پڑھی جائیں تاکہ بیس
رکعتوں اور آٹھ رکعتوں کی حدیثوں پر بھی عمل ہوجائے اور علماء کے اختلاف سے بھی
بچا جاسکے۔

اس مغالطہ کی بنیاد دراصل ایک فریب پر ہے جس کا جواب یہ ہے کہ بیس

رکعت اگر چہ بسند ضعیف ہی سہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں بالخصوص صحابہ کرام کے تعامل سے جب کہ اس کا ضعف بھی زائل ہو جاتا ہے اور بیس رکعتیں سنت ہو جاتی ہیں لہٰذا اس تعداد کی تحدید سنیت کی وجہ سے ہے نہ کہ جواز کے لئے اور بالفرض سنت رسولؐ نہ بھی ہو تو بیس رکعت جمہور صحابہ کی سنت تو ہے ہی بناء بریں بیس رکعتوں کی تحدید اس لئے ہے کہ وہ سنت سمجھ کر پڑھی جاتی رہی ہیں محض جواز چالیس اور چھتیس کے لئے تو ہو سکتا ہے مگر بیس سے زائد رکعتوں کا کسی ضعیف سند سے بھی سنت رسولؐ ہونا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحیح سند سے سنت صحابہ ہونا ہی پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے اس لئے بیس کی تحدید اپنی جگہ ایک معقول وجہ رکھتی ہے جو بیس سے زائد کے لئے ہرگز موجود نہیں ہے مگر غیر مقلدین حضرات سنیت اور جواز کے اس فرق کو یا تو محسوس ہی نہیں کرتے اور یا پھر قصداً لوگوں کو فریب میں ڈالنا چاہتے ہیں اس وضاحت کے بعد یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں رہ جاتی کہ رکعتوں کے سلسلہ میں تمام حدیثوں پر اگر عمل ہے تو حنفیہ کا ہے غیر مقلدین کا عمل صرف بعض حدیثوں پر ہے تمام حدیثوں کے لحاظ سے تو وہ تارکین حدیث ہی کہلانے کے مستحق ہیں حقیقی عامل بالحدیث احناف ہیں جنہوں نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا کہ جس سے تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے[1] یعنی بیس رکعت پر عمل کر لینے والا سنت رسول جو آٹھ رکعت ہے اس پر عمل کر لیتا ہے۔)

احناف کی دلیل تہجد اور تراویح کے فرق پر منحصر نہیں ہے

ناظرین کو یہ بات خیال رکھنی چاہیئے کہ ابتک کی ساری بحثیں یہ فرض

[1] اور یہ ایسی بات ہے جس کو خود غیر مقلدین کے جلیل القدر عالم نواب صدیق خاں صاحب نے تسلیم کیا ہے چناں چہ تحریر فرماتے ہیں مقصود آنکہ یازدہ رکعت از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروی گشتہ وست رکعت زیادت عمر بن الخطاب است وسنت نبویہ در زیادت عمر مغمور پس آتی بہ زیادت عامل بہ سنت ہم باشد (ہدایۃ السائل ص/۱۳۸۶)

کر لینے کے بعد کی گئی ہیں کہ نماز تہجد اور نماز تراویح دونوں ایک ہی نماز ہیں جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا دعوی ہے اگر چہ اپنی جگہ اس بات کا قوی امکان ہے بلکہ دلائل وقرائن کی روشنی میں دونوں نمازوں کا الگ الگ دو نماز ہونا ہی درست ہے جیسا کہ بعض جگہوں پر اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے تاہم چونکہ ہمارے اصل مدعا کے ثبوت پر دونوں نمازوں کو ایک فرض کر لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور بنیادی حقیقت کا انکشاف اس پر منحصر نہیں تھا اس لئے ہم نے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی گفتگو اسی مفروضہ پر شروع کی ہے کہ دونوں نماز ایک ہی ہیں مگر اب گذشتہ حدیثوں میں جس نماز کا ذکر ہے اس کو نماز تہجد پر محمول کر کے خاص ان حدیثوں پر بحث کی جاتی ہے جن سے خصوصیت کے ساتھ باجماعت رمضان میں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے اس سلسلہ میں وارد شدہ تمام روایتیں جو مستند ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے یہ روایتیں درج ذیل صحابہ کرام سے مروی ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ (بخاری جلد ۱ ص/۲۶۹ و مسلم ج ۱ ص/۲۵۹) اس روایت میں تین راتوں کے اندر باجماعت نماز تراویح پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور ہے اور چوتھی رات باہر جماعت کیلئے تشریف نہ لانے کا ذکر ہے لیکن رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابوذرؓ سے (نسائی ج ۱ ص/۱۸۲ وغیرہ) اس حدیث میں ایک سال رمضان کی تیئیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں راتوں میں باجماعت نماز تراویح ادا کرنا منقول ہے لیکن رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ (مسلم بحوالہ فتح الباری ج ۴ ص/۷) اس روایت میں بھی رکعتوں کی تعداد کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

(۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۱۴) اگرچہ اس روایت میں رمضان کا ذکر نہیں ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ واقعہ رمضان ہی کا ہے مگر اس حدیث میں بھی رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۵) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (نسائی اول ص ۱۸۲) اس میں رمضان کی تیئسویں، پچیسویں اور ستائیسویں راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز تراویح پڑھنا مذکور ہے لیکن رکعتوں کی تعداد منقول نہیں ہے۔

(۶) حضرت جابرؓ (ابن حبان و ابن خزیمہ وغیرہ بحوالہ فتح الباری ج ۵ ص: ۵۹۷) اس روایت میں صرف ایک رات باجماعت نماز تراویح پڑھنے کا ذکر ہے اور آٹھ رکعتوں کی تعداد بھی وارد ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے صرف ایک ہی رمضان میں تراویح باجماعت ادا فرمائی ہے؟

جن صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی واقعہ کی روایت کے سلسلہ میں اوپر شمار کرائے گئے ہیں ان تمام صحابہ نے کسی ایک ہی واقعہ کو نقل فرمایا ہے یا چند واقعات ہیں اور ایک سے زائد مرتبہ باجماعت تراویح آپ نے ادا فرمائی ہے جس کو مختلف صحابہ نے اپنے اپنے علم کے اعتبار سے نقل کر دیا ہے اسی لئے روایتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے محدثین کے بیان اور قرائن وحالات سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے جملہ روایات میں کسی ایک ہی واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ مختلف واقعات ہیں جن کا تذکرہ ان روایتوں میں کیا گیا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس واقعہ کو نقل فرمایا ہے وہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جس کو حضرت عائشہؓ بیان فرما رہی ہیں، حافظ ابن حجر

عسقلانیؒ اس کی تصریح فرماتے ہیں۔

والظاهر ان هذا كان في قصة اخرى. (فتح الباری ص ۵۹۷ ج ۵)

ظاہر یہی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس واقعہ کی روایت فرمائی ہے وہ ایک دوسرا واقعہ ہے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی جس رات کا واقعہ نقل کیا ہے ممکن ہے یہ وہی رمضان ہو جس کا واقعہ حضرت عائشہؓ نے نقل فرمایا ہے اور اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ یہ رات کسی دوسرے رمضان کی ہو اور یہ واقعہ ہی دوسرا ہو اگر حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ تسلیم کیا جائے تو بھی حضرت جابرؓ کی روایت میں صرف ایک رات کی جماعت کا ذکر ہے اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ کی روایت میں تین راتوں میں جماعت کا ہونا صراحت کے ساتھ مذکور ہے اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

فان كانت القصة واحدة احتمل ان يكون جابر ممن جاء في الليلة الثالثة فلذلك اقتصر على وصف ليلتين.

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۹۷)

اگر حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کا واقعہ ایک ہی ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت جابرؓ ان لوگوں میں ہوں جو تیسری رات جماعت میں شریک ہوئے یہی وجہ ہے حضرت جابرؓ نے صرف دو ہی راتوں کے متعلق بیان دیا ہے اور پہلی دو راتوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

دوسری بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ ان تمام روایتوں میں جن کے اندر مختلف صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت سے رمضان میں نماز تراویح ادا فرمانا نقل کیا ہے ان میں دوسری چیزوں کی تفصیل تو مذکور ہے لیکن کسی صحیح روایت میں رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے البتہ ان تمام روایتوں کے درمیان حضرت جابرؓ

کی روایت ایسی ہے کہ جس میں ایک رات آٹھ رکعت پڑھنے کا بیان موجود ہے مگر یہ روایت ہی سرے سے صحیح نہیں ہے، اوران کے علاوہ کسی صحابی نے رکعتوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت کے ذیل میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ولم جاء فی بشیء من طرقه بیان عدد صلوته فی تلك اللیالی

(فتح الباری ج/۵ ص/۵۹۷)

حضرت عائشہؓ والی حدیث کے کسی طریق میں ان رکعتوں کی تعداد کا ذکر نہیں آیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں ادا فرمائی تھیں۔

اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی روایت کے متعلق مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم انه لم یرد فی حدیث ابی ذر هذا بیان عدد الرکعات التی صلاها رسول الله صلی الله علیه وسلم فی تلك اللیالی.

(تحفة الاحوذی ج/۲ ص/۷۳)

خوب ذہن نشیں کرلو کہ حضرت ابوذرؓ کی اس حدیث میں ان رکعتوں کی تعداد کا ذکر نہیں آیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں ادا فرمائی ہے۔

حدیث جابرؓ قابل احتجاج نہیں ہے

دیگر صحابۂ کرام سے جو روایتیں ہیں ان میں سے بھی کسی میں ان رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جو ان راتوں میں با جماعت ادا کی گئی ہیں اگر غیر مقلدین حضرات کے علم میں حدیث جابرؓ کے علاوہ کوئی روایت موجود ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔ باقی رہا حضرت جابرؓ کی روایت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ وہ حدیث رکعتوں کی تعداد کے معاملہ میں قابل احتجاج ہے ہی نہیں جس کی درج ذیل

وجوہات ہیں:

(۱) صحاح کی وہ حدیثیں جن کے اندر ان راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا با جماعت نماز تراویح ادا کرنا وارد ہے وہ سب کی سب رکعتوں کی تعداد سے بالکل خاموش ہیں ایسی صورت میں حضرت جابرؓ کی روایت کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس روایت میں رکعتوں کی تعداد کا اضافہ دوسری صحیح حدیثوں کے معارض ومخالف کہا جائے گا یا ان پر زیادتی شمار کی جائیگی۔ تعارض کی صورت میں حدیث جابرؓ قابل اعتبار ہی نہیں ٹھہرتی ہے کیوں کہ وہ عیسیٰ بن جاریہ راوی کے منکر ہونے کی وجہ سے سخت قسم کی ضعیف روایت ہے اور ظاہر ہے احادیث صحاح کے مقابلہ میں ضعاف کا اعتبار نہیں ہوتا اور اگر زیادتی تسلیم کرلی جائے تب بھی حدیث جابرؓ سے اس زیادتی کا جواز ممکن نہیں اس لئے کہ عیسیٰ بن جاریہ غیر ثقہ اور ضعیف الحفظ ہے۔ جس کی زیادتی قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔ لیکن ضعیف الحفظ اور غیر ثقہ ہونے کے باوجود اگر اس زیادتی کو قبول کرلیا جائے تو پھر حدیث ابن عباسؓ کی زیادتی کیوں قبول نہ کی جائے گی جس کا ضعف تعامل وتوارث اور دوسرے قرائن کی وجہ سے ختم بھی ہوجاتا ہے بالخصوص جب کہ حدیث بن عباسؓ میں صحیح حدیثوں کے تعارض کا امکان بھی نہیں ہے کیونکہ صحاح کی تمام حدیثوں میں با جماعت نماز ادا کرنے کا واقعہ منقول ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں جماعت کے بغیر نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے بس دونوں دو الگ الگ واقعہ سے متعلق ہیں البتہ حدیث جابرؓ میں چونکہ با جماعت ہی نماز کا ذکر ہے اس لئے اس کا احادیث صحاح کے معارض ومخالف ہونا عین ممکن ہے۔

(۲) حدیث جابرؓ کو بفرض محال قابل احتجاج تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے صرف

ایک رات میں آٹھ رکعتوں کا پڑھنا معلوم ہوسکتا ہے بقیہ دو راتوں کے متعلق اس سے رکعتوں کی تعداد کے سلسلہ میں کوئی روشنی نہیں ملتی۔ اس لئے تمام راتوں کی رکعتوں کی تعداد کیلئے حدیث جابرؓ کو استدلال میں پیش کرنا خود حدیث جابرؓ کے خلاف استدلال کرنا ہے کیونکہ اس حدیث میں صرف ایک رات کی جماعت کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد دوم ص/۳۱۱ پر حدیث جابرؓ کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

عن عیسیٰ بن جاریه عن جابرؓ قال صلی بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لیلة فی رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کان فی القابلة اجتمعنا ورجونا ان یخرج فلم نزل حتی اصبحنا قال فدخلنا علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقلنا یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان تخرج الینا فقال انی کرهت ان یکتب علیکم الوتر اسناده وسط. (میزان الاعتدال ج/۲ ص/۳۱۱)

عیسیٰ بن جاریہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو رمضان میں ایک رات آٹھ رکعتیں نماز پڑھائیں اور وتر بھی پھر جب اگلی رات ہوئی اور ہم سب مسجد میں جمع ہوئے اور ہم سب پر امید تھے کہ حضور ﷺ نکلیں گے لہٰذا ہم سب صبح تک ٹھہرے رہے کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اعتکاف والے حجرہ میں) آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ مسجد میں جمع تھے اور امید رکھتے تھے کہ آپ ہماری طرف تشریف لائیں گے اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ وتر تم پر فرض کردی جائے۔ امام ذہبی کہتے ہیں اس روایت کی سند وسط ہے۔

اس روایت میں حضرت جابرؓ نے صراحت فرمائی ہے کہ جماعت سے میں نے صرف ایک رات نماز ادا کی تھی دوسری رات حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف ہی نہ لائے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت جابرؓ صرف تیسری رات جماعت میں شریک ہوئے تھے پہلی ان دونوں راتوں کی جماعت میں وہ شریک نہ ہوسکے تھے جن کا تذکرہ حضرت عائشہؓ وغیرہا کی صحیح حدیثوں میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے صرف دو راتوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے ایک اس رات کی جس میں وہ بذات خود شریک جماعت تھے دوسری اس رات کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لا سکے تھے چنانچہ یہ وضاحت خود حضرت جابرؓ کی روایت میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن اسکے باوجود حدیثِ جابرؓ کو تینوں رات باجماعت پڑھی جانے والی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے معاملہ میں دلیل بنانا کس قدر حیرت کی بات ہے لہٰذا مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کا حدیث جابرؓ سے یہ استدلال کسی طرح درست نہیں ہے اور ان کا مندرجہ ذیل بیان ایک مغالطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، فرماتے ہیں۔

لکن قد ورد بیانه فی حدیث جابر وهو انه صلی اللّٰه علیه وسلم صلی فی تلك اللیالی ثمان رکعات ثم اوتر.

(تحفة الاحوذی ج/۲ ص/۷۳)

لیکن رکعتوں کی تعداد کا تذکرہ حدیث جابر میں آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں آٹھ رکعت پڑھی اس کے بعد وتر ادا فرمائی تھی۔

غور فرمایئے حدیث جابرؓ میں صرف لیلۃً ایک رات کی تصریح موجود ہے مگر کتنی دلیری کے ساتھ اس کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے ''لیالی'' بنا دیا ہے کیا یہ بات ان کی علمی ثقاہت کے لئے باعث عار نہیں ہے؟

(۳) حدیث جابر کے ذریعہ ان صحیح حدیثوں پر اضافہ اس لئے بھی درست نہ ہوگا کہ اس بات کا بھی قوی امکان موجود ہے کہ حدیث جابر والا واقعہ دوسرا ہو اور ان حدیثوں میں جس واقعہ کا بیان ہو وہ کوئی دوسرا واقعہ ہو چنانچہ حافظ

ابن حجر عسقلانیؒ کی منقولہ عبارت میں اس کے امکان کی طرف اشارہ موجود ہے پھر ایسی صورت میں ایک دوسرے واقعہ کی زیادتی کو کسی دوسرے واقعہ پر اضافہ کی دلیل بنانا ہی غلط ہوگا۔

(۴) حدیث جابرؓ کے معارض ومخالف اسی درجہ کی دوسری روایت بھی موجود ہے چنانچہ بیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے۔

صلی بھم عشرین رکعة بعشر تسلیمات لیلتین ولم یخرج فی الثالثة. (تحفة الاخیار ص/۱۹۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت نماز پڑھائی دس سلاموں کے ساتھ دو رات لیکن تیسری رات تشریف نہ لائے۔

اگرچہ حدیث جابر کی طرح یہ روایت بھی ضعیف ہے لیکن اس کا بیان حدیث جابر کے خلاف ہے۔ پھر اس کو قبول نہ کرنا اور حدیث جابر کے اضافہ کو قبول کر لینے کیلئے کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ علامہ ذہبی نے حدیث جابر کی سند کو وسط فرمایا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کی تخریج فرمائی ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ امام ذہبی کی تردید علامہ نیموی نے فرمادی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حدیث جابر کسی طرح وسط کہلانے کی مستحق نہیں ہے کیونکہ اس کی تمام سندوں میں عیسی بن جاریہ جیسا منکر راوی موجود ہے کوئی سند اس روایت کی راوی مذکور سے خالی نہیں ہے اگر غیر مقلدین کے علم میں ہو تو حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں پھر متفق علیہ مجروح راوی کی موجودگی میں کسی کے وسط لکھ دینے یا اپنی صحیح میں اس کی تخریج کر دینے سے وہ روایت صحیح نہیں ہوجاتی ہے بلکہ عیسی بن جاریہ کے ترجمہ میں امام ذہبیؒ نے ذکر ہی اس واسطے فرمایا ہے کہ بات علم میں آجائے کہ یہ روایت منکر ہے اس لئے کہ ذہبی کی میزان الاعتدال میں یہ عادت ہے کہ جس راوی کا ترجمہ لکھتے ہیں اگر اس سے کوئی روایت منکر ہوتی ہے تو اس کا ذکر

بھی فرمادیتے ہیں مزید یہ کہ پہلے بھی یہ بتایا جاچکا ہے کہ سند کے صحیح ہوجانے سے حدیث کا صحیح ہوجانا کوئی ضروری بات نہیں ہے بنا بریں اگر حدیث جابر کی سند بفرض محال وسط بھی ہو تو اس حدیث جابر کا صحیح ہونا کیونکر لازم آسکتا ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف روایتیں موجود ہیں اور قرائن بھی اس کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ تمام سند میں عیسیٰ بن جاریہ موجود ہے تو اس کی صراحت طبرانی میں بایں الفاظ مذکور ہے۔

لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بھذا الاسناد.

(طبرانی صغیر ص/۱۰۸)

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اس سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے یہ روایت نہیں ملتی ہے۔

اب عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق محدثین کی رائیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) یحیی ابن معین فرماتے ہیں **لیس بذلك لا اعلم احداً روی عنه غیر یعقوب** یعنی وہ تو روایت کا اہل ہے ہی نہیں، مجھے نہیں معلوم کہ یعقوب کے علاوہ بھی کسی نے اس سے روایت کی ہے۔ یہی یحیی بن معین نے دوسری روایت کے مطابق فرمایا **عنده مناكير** عیسیٰ بن جاریہ کے پاس صرف منکر روایتیں ہیں۔

(۲) امام نسائی امام داؤد فرماتے ہیں منکر الحدیث یعنی عیسی بن جاریہ منکر ہے، امام نسائی یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ متروک راوی ہیں۔

(۳) ساجی اور عقیلی نے اس کا نام ضعیف راویوں کی فہرست میں درج فرمایا ہے۔

(۴) ابن عدی نے فرمایا احادیثہ غیر محفوظة یعنی عیسی بن جاریہ کی تمام حدیثیں منکر اور غیر محفوظ ہیں۔

(۵) ابوزرعہ فرماتے ہیں **لا بأس به** کوئی خاص مضائقہ نہیں۔

(۶) ابن حبان نے اس کا تذکرہ ثقات میں فرمایا ہے۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ص/۲۰۷ ج/۸ و میزان ج/۲ ص/۳۱۱)

چھ حضرات کی مفسر اور واضح جرح کے ہوتے ہوئے صرف دو آدمی کی مبہم اور غیر واضح توثیق اصول حدیث کی روشنی میں قابل توجہ نہیں ہوسکتی اس لئے عیسیٰ ابن جاریہ پر تنقید کرنے والوں نے ان کا منکر الحدیث ہونا تضعیف کی علت کے طور پر ذکر فرمایا ہے جس کے بعد ان کی تمام جرحیں مفسر ہوجاتی ہیں اس کے برخلاف ابوزرعہ اور ابن حبان نے توثیق کی کوئی وجہ ذکر نہیں کی ہے بلکہ ابوزرعہ نے توثیق کی کمزوری واضح کرنے کے لئے سب سے کم وزن توثیق کا کلمہ جو ممکن تھا وہی استعمال فرمایا ہے یعنی لا بأس به کہا ہے بنا بریں عیسیٰ بن جاریہ متفق علیہ ضعیف اور منکر ٹھہرتے ہیں اور انکی مذکورہ روایت قطعاً لائق توجہ نہیں ہوگی، بالخصوص غیر مقلدین حضرات کے نزدیک، کیونکہ ان کے جلیل القدر عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری فرماتے ہیں۔

منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترك لحدیثه.

(ابکار المنن ص/۱۹۱)

منکر ہونا راوی کا ایسا عیب ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی روایت کردہ حدیث قابل ترک ہوجاتی ہے۔

حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا روایت میں اضطراب بھی ہے کیونکہ حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں تراویح کی بیس رکعات بھی منقول ہے بنا بریں آٹھ رکعت والی ان کی روایت ضعیف ہونے کے علاوہ بیس رکعت سے معارض ہونے کی وجہ سے مردود بھی ہے اور حضرت جابرؓ کی بیس رکعت والی روایت حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے موافق بھی ہے اور اس کی سند بھی دوسری ہے اس لئے تعدد طرق کی وجہ سے بیس رکعت کا ثبوت بسند صحیح ہوگیا واضح رہے کہ حضرت جابرؓ کی بیس رکعت والی

حدیث میں نہ تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے اور نہ ہی عیسیٰ بن جاریہ جیسا مجروح کوئی راوی ہے نہ یعقوب بن عبداللہ القمی جیسا کوئی شیعہ راوی ہے۔ محدث السہمی حمزہ بن یوسف المتوفی ۴۲۷ھ اپنی کتاب تاریخ جرجان صفحہ/۲۷۵ پر پوری سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبد اللهؓ قال خرج النبی صلی الله علیه وسلم ذات لیلة فی رمضان فصلی الناس اربعة وعشرین ركعة واوتر بثلثة.

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور لوگوں کو چوبیس رکعات پڑھائیں (یعنی چار عشاء کی اور بیس رکعت تراویح کی) اور تین رکعت وتر پڑھیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے

نماز تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں جس طرح حضرت جابرؓ سے آٹھ رکعتوں کی تعداد مروی ہے اگر چہ بسند ضعیف ہی سہی بالکل اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بیس رکعتوں کی تعداد بھی مروی ہے چنانچہ عبد ابن حمید نے اپنی مسند میں، امام بغوی نے اپنی معجم میں، طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں، بیہقی نے جلد اول ص/۶۹۴ پر اور امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف جلد اول قلمی صفحہ/۴۸۲ پر یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

ابو سعد المالینی ثنا ابو احمد بن عدی الحافظ ثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزیز ثنا منصور بن ابی مزاحم ثنا ابو شیبة عن الحكم عن مقسم عن ابن عباسؓ قال كان النبی صلی الله علیه وسلم فی شهر

رمضان غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر تفرد به ابو شیبة ابراهیم بن عثمان العبسی الکوفی وهو ضعیف. (بیهقی ج/۱ ص/۴۹۶)

ابوسعد مالینی سے حدیث بیان کی ابواحمد بن عدی حافظ نے اور ان سے بیان کیا عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز نے اور ان سے حدیث بیان کیا منصور بن ابی مزاحم نے اور ان سے حدیث بیان کی ابوشیبہ نے جو روایت کرتے ہیں حکم سے اور حکم مقسم سے اور مقسم حضرت بن عباسؓ سے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی اس میں متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

اس حدیث کے سلسلہ میں بالعموم دو اعتراضکئے جاتے ہیں اول یہ کہ اس کی سند ابوشیبہ ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے اور استدلال کے لائق نہیں ہے۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہؓ کی صحیح مرفوع متصل روایت جس میں آٹھ سے زائد کی نفی ہے اس کے خلاف اور معارض ہے بنا بریں حدیث ضعیف کا جب حدیث صحیح سے تعارض ہوگا تو ضعیف قابل ترک اور نا قابل احتجاج ٹھہرے گی۔ انہیں دو باتوں کو بالعموم تمام معترضین بار بار دہراتے ہیں چنانچہ حدیث ابن عباسؓ کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

واما ما رواه ابن ابی شیبة من حدیث ابن عباسؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر فاسناده ضعیف وقد عارضه حدیث عائشةؓ هذا الذی فی الصحیحین مع کونها اعلم بحال النبی صلی اللہ علیه وسلم لیلا من غیره.

(فتح الباری ج/۸ ص/۳۱۷)

اور وہ روایت جس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے طور

پر نقل فرمایا ہے کہ آنحضر ؟ ت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے تو اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے خلاف حضرت عائشہؓ کی یہ روایت جو بخاری و مسلم میں منقول ہے وہ موجود ہے پھر یہ کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رات۔ کے معمول کو دوسروں کی نسبت بہت زیادہ اچھی طرح جانتی ہیں۔

حدیث ابن عباسؓ پر تنقیدی بیان کا تجزیہ

ابن حجرؒ کے اس مفصل اور طویل بیان کا خلاصہ تین باتوں میں آجاتا ہے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ضعیف ہے۔

(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت جو بخاری و مسلم کی ہے اس کے معارض ومخالف ہونے کی وجہ سے حدیث ابن عباسؓ نا قابل توجہ ہے۔

(۳) حضرت عائشہؓ آٹھ رکعت بتاتی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ بیس رکعت۔ ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے معاملہ میں حضرت عائشہؓ کی معلومات زیادہ ہے اور صحیح ہے لہٰذا وہی قابل قبول ہوگی۔

ان تینوں باتوں کے سلسلہ میں کچھ بہت زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ بالکل اس کے خلاف خود ابن حجر عسقلانیؒ نے ہی اپنا بیان ایک موقع پر دیدیا ہے جس کے بعد یہ کہنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ موصوف نے اس جگہ کھلے تعصب سے کام لیا ہے ورنہ ان تینوں اعتراضوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر حدیث ابن عباسؓ میں ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے سند میں ضعف ہے اور اس لئے یہ حدیث قابل قبول نہیں ہے تو گذر چکا ہے حضرت علیؓ کی روایت جس میں سولہ رکعتوں کا ذکر ہے اس کے اندر بھی ایک راوی عاصم بن ضمرہ ہیں جن پر بعض محدثین نے وہی تنقید فرمائی ہے جو ابراہیم بن عثمان پر کی ہے لیکن یہی ابن حجر ہیں کہ وہاں اس ضعف کو نظر انداز کر گئے ہیں اور اگر کسی نے اس کے ضعف پر زور دیا تھا تو خود حافظ ابن حجر نے

اس کو متعصب قرار دیدیا ہے لیکن چونکہ اس روایت میں سولہ رکعت کا معاملہ تھا جس
سے حنفیہ کا استدلال نہ ہوسکتا تھا اس لئے وہ روایت نہ صرف یہ کہ قبول کی گئی بلکہ اس
کی صحت پر زور دیا گیا اور یہاں بیس رکعت کی بات جو صراحتاً حنفیہ کی تائید کرتی ہے
اس لئے اس کو کسی طرح ضعیف اور نا قابل استدلال ٹھہرا دینا ہے۔ اس وضاحت
سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ تعارض کا افسانہ بھی بالکل بے بنیاد ہے اگر حدیث
عائشہؓ سے حدیث ابن عباسؓ کا تعارض اس کے قبول کرنے میں رکاوٹ ہے تو ظاہر
ہے کہ یہ تعارض تو حضرت علیؓ کی روایت میں بھی موجود ہے۔ یہ بات تو کسی طرح سمجھ
میں نہیں آتی کہ آٹھ رکعتوں سے بیس رکعتوں کا تو تعارض ہے مگر سولہ رکعتوں سے
کوئی تعارض نہیں ہے لہذا یہ ایک حقیقت ہے کہ تعارض وتخالف کا بہانہ محض بے
بنیاد ہے کیوں کہ اس جگہ تعارض کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے یہ تو ایک قسم کا
اضافہ اور زیادتی ہے اور نوافل کے سلسلہ میں زیادتی کی کافی گنجائش ہے اور اسی لئے
اس معاملہ میں مختلف بیانات کو قبول کرلیا جاتا ہے پھر یہ کہ تعارض تو جب ہوتا جبکہ
دونوں بیانات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہوتے حالانکہ حدیث ابن عباسؓ میں اس
بات کی صراحت ہے کہ جماعت کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اور حدیث
جابرؓ یا حدیث عائشہؓ میں جماعت کا تذکرہ ہے پھر صاف طریقہ پر معلوم ہوجاتا ہے
کہ دونوں الگ الگ واقعہ سے متعلق روایت فرمارہے ہیں پس ایسی صورت میں
تعارض کا سوال کیا ہوتا ہے؟ اس لئے ہم عرض کریں گے کہ حافظ ابن حجر کے اس
بیان کو سمجھنے کے لئے ان کا وہ بیان دوبارہ پڑھ لیا جائے جو تہذیب التہذیب کے
حوالے سے حدیث علیؓ کے ذیل میں پہلے نقل کیا جاچکا ہے، انشاء اللہ مطلع بالکل
صاف ہوجائے گا۔ یہ بات بھی سخت تعجب کا باعث ہے کہ ایک جگہ حضرت علیؓ کو علی
الاطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واحوال سے زیادہ واقف خود حضرت
عائشہؓ کے مقابلہ میں یہی ابن حجر بتاچکے ہیں لیکن اس جگہ حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ

فرماتے ہیں کہ انہیں رات کے معمول کا زیادہ علم تھا حالانکہ واقعات وقرائن اس کے
بالکل خلاف ہیں کیونکہ سفر کی حالت میں حضرت عائشہؓ کا غیر موجود ہونا اور عدل
وانصاف کی بنا پر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جتنی راتیں بسر کی جاتی تھیں دیگر
ازواج میں سے ہر ایک کے حجرہ میں اتنی راتوں کا گذارنا ہی قرین قیاس ہے۔ پھر
حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں حضرت ابن عباسؓ کا رات کے وقت موجود ہونا بخاری
ومسلم کے حوالہ سے گذر ہی چکا ہے علاوہ بریں خاص حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جو
راتیں گذری ہیں انہیں راتوں کی نمازوں کا حضرت عائشہؓ کے علم میں ہونا غیر یقینی
ہے بلکہ صحیحین کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ بسا اوقات وہ بے خبر سوئی ہوتی تھیں کمرہ
میں تاریکی ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصروف نماز ہوتے تھے لیکن ان
سب کے باوجود حضرت عائشہؓ کو ہی علی الاطلاق اعلم اور رات کے معمول سے زیادہ
واقف قرار دینا نہ معلوم علم ودیانت کا کون سا تقاضہ ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی
تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت عائشہؓ ہی اعلم بحال النبی لیلاً اور زیادہ واقف کار
ہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ کوئی جزوی اور اتفاقی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں
آسکتا جس کا علم حضرت عائشہؓ کو نہ ہو بلکہ حضرت ابن عباسؓ کو ہوجائے کیا وہ واقعہ
نہیں ہے کہ کسی خاص معاملہ کا علم کم واقف کار کو ہوجاتا ہے لیکن زیادہ واقف کار کبھی
کبھی اس سے باخبر نہیں ہوپاتا ہے۔ پھر ان بے بنیاد اور رکیک اعتراضوں کے
ذریعہ کسی حقیقت کے انکار کا بہانہ تلاش کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ انہیں اسباب
وجوہات پر کافی غور کرنے کے بعد غالباً شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس خیال
کے ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی ہے چنانچہ ابن عباسؓ کے سلسلہ میں حضرت
موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

امام بیہقی ایں روایت را ضعیف ترنمودہ بعلت آں کہ راوی ایں حدیث جدابی
بکر بن شیبہ است، کہ ابوشیبہ است، حالانکہ ابوشیبہ جد ابوبکر بن شیبہ انقدر ضعف ندارد

کہ روایت او را مطروح مطلق ساختہ شود آری اگر معارض او حدیث می بود البتہ ساقط می شد و آنچہ مروی شدہ **ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة** مراد ازاں نماز تہجد است کہ رمضان و غیرہ برابر بود و اترا **اصلوٰة الليل** می گفتند اما تراویح غیر آنست کہ در عرف شاں بقیام رمضان مسمی می بود چناں چہ دلالت کند برآں حدیث اجتہاد از مسلم۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص/۱۱۹)

بیہقی نے اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف دکھانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی امام ابوبکر بن شیبہ کے دادا ابوشیبہ ہیں حالانکہ ان کے اندر اتنا ضعف نہیں پایا جاتا کہ ان کی روایت کو بالکل مردود سمجھا جائے البتہ اگر اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث ہوتی تو نا قابل اعتبار سمجھا جاتا۔ (لیکن یہ بات یہاں نہیں ہے) اور وہ جو مروی ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زائد نہ پڑھتے تھے تو اس سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان سب میں برابر تھی اور اس کو صحابہ کرام صلوٰۃ اللیل کہا کرتے تھے لیکن تراویح تو اس کے علاوہ ایک الگ نماز ہے جو صحابہ کے عرف عام میں قیام رمضان کے نام سے مشہور تھی جیسا اس کی دلیل مسلم کی روایت میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں یا اسکے آخری عشرہ میں زیادہ عبادت فرمایا کرتے تھے۔

بلکہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تو حدیث ابن عباسؓ کا ضعف تسلیم ہی نہیں کرتے ہیں فرماتے ہیں نہ تو وہ کسی حدیث صحیح خصوصاً حدیث عائشہؓ کے معارض ہے اور نہ ہی اس کا ضعف باقی ہے کیوں کہ وہ توارث وتعامل کی تائید کے بعد بالکل صحیح اور درست روایت ہوجاتی ہے جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وقد سبق ان ما يتوهم معارضاً اعنى حديث ابى سلمة عن عائشةؓ المتقدم ذكره ليس معارضا له بالحقيقة فبقى سالما كيف وقد أيّدَ بفعل الصحابة. (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص/ ۱۲۰)

اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جو وہم کیا جاتا ہے کہ اس حدیث یعنی ابوسلمہ والی جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس کا پہلے تذکرہ آچکا ہے اس کے خلاف یہ حدیث ابن عباسؓ ہے تو درحقیقت یہ اس کے خلاف ومعارض نہیں ہے لہٰذا یہ بالکل سالم ودرست روایت ہے اور کیوں نہ صحیح ہو جب کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث ابن عباسؓ کی سند میں ضعف تسلیم کرلیا جائے تب بھی وہ حدیث اصول کی روشنی میں صحیح ہے

میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست ہی تسلیم کرلی جائے کہ حدیث ابن عباسؓ کی سند ضعیف ہے تو اس کی وجہ سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم تو نہیں آتا ہے یہ بات تو کئی مرتبہ پہلے بھی وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ اصول حدیث کے لحاظ سے سند کی صحت یا اس کے ضعف سے نفس حدیث کا صحیح یا ضعیف ہوجانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اسکا امکان ہے کہ اس کی صحت سند کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوجائے اور پھر سند کا ضعف زائل اور کالعدم تصور کیا جائے یہاں یہی صورت ہے اس لئے محدثین فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کی سند میں ضعف ہو لیکن صحابہ کا اس پر تعامل وتوارث رہا ہو تو اس حدیث کو صحیح اور قابل استدلال سمجھا جائے گا۔ یہ اصول حدیث کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے چنانچہ علامہ جزائری فرماتے ہیں۔

اذا ورد حديث مرسل او في احد ناقليه ضعف فوجدنا ذلك الحديث مجمعا على اخذه والقول به علمنا يقينا انه حديث صحيح لاشك فيه. (توجيه النظر مصرى ص/ ۵۰)

اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں

تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

رمضان کی تراویح کے سلسلہ میں حدیث ابن عباسؓ پر جمہور صحابہ کا تعامل اور اتفاق رہ چکا ہے بلکہ امت نے خیر القرون کے زمانہ میں اس حدیث پر نہ صرف عمل کیا ہے بلکہ کسی انکار کے بغیر اس پر عمل کیا ہے جو اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے اور اس کے ضعف کو کالعدم کردینے کیلئے بہت کافی ہے باقی رہا بعض لوگوں کا اس کے خلاف عمل کرنا یا اس سے زائد رکعتوں کا پڑھنا تو اس کو انکار کیلئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ہی وہ اس حدیث کے انکار کی وجہ سے ایسا کرتے تھے بلکہ اس کی دوسری وجہ تھی لہذا مذکورہ بالا اصول حدیث کی روشنی میں حدیث ابن عباسؓ بالکل صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ خیر القرون کے بعد کا انکار واختلاف حدیث کی صحت کے لئے مضر نہیں ہے اس بات کے علاوہ بھی دوسری باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان پر غور کیا جائے تو اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ کا استدلال صحیح معلوم ہوتا ہے ان باتوں کو ہم ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اس روایت میں ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث میں ضعف پیدا ہو گیا ہے ان کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے پیدائش معلوم نہ ہوسکی اغلب یہی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بہت کم عمر ہیں لیکن انہیں کے معاصرین میں سے ہیں لہذا اس جگہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ تک اگر حدیث پہونچی ہوگی تو اس میں ابراہیم بن عثمان کا واسطہ درمیان میں ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ نہ ہونا ہی عین ممکن ہے جیسا کہ قرائن سے یہی بات واضح اور درست معلوم ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا کسی طرح از روئے یقین صحیح نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ضعیف ہے کیونکہ ضعف تو اس حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کے بعد والوں کے لئے درمیانی راوی کے ضعیف ہوجانے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ہے امام ابو حنیفہؒ تک تو تمام راوی ثقہ تھے ان میں کوئی بھی راوی ضعیف موجود نہ تھا بنا بریں یہی روایت امام ابو

حنفیہؒ کے زمانہ میں بالکل بے عیب اور صحیح تھی اور اس سے استدلال کرنا اپنی جگہ درست تھا اور اس بات کا قرینہ کہ امام ابو حنفیہؒ نے اسی حدیث سے بیس رکعتوں پر استدلال فرمایا ہے یہ ہے کہ انہوں نے ان رکعتوں کی تعداد کو کسی صحابہؓ بالخصوص فاروق اعظمؓ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ثابت مانا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

لم يتخرص عمر التراويح من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يامر به الا عن اصل لديه و عهد من النبی صلی اللہ علیه وسلم وهی سنة عين مؤكدة. (مراقی الفلاح علیٰ هامش الطحطاوی ص/۲۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح اپنی اٹکل سے نہیں نکالی تھی نہ کوئی بدعت ایجاد کی انہوں نے اسے پڑھنے کا حکم اس حدیث کی بنیاد پر دیا جو ان کے علم میں تھی اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری تھی لہذا یہ سنت غیر کفایہ اور مؤکدہ ہے۔

مراقی الفلاح کی یہ عبارت مولوی علی احمد نے اپنی کتاب اظہار الحق الصریح ص/۱۱۱ پر نقل فرمائی ہے اور اس جگہ امام ابو حنیفہؒ کی فقاہت وفراست کی بڑی مدح خوانی بھی کی ہے لیکن اپنی خاص افتاد طبع کی وجہ سے مولوی علی احمد صاحب نے اس جگہ دو دو کجروی اختیار فرمائی ہے اول یہ کہ مراقی الفلاح کی عبارت انہوں نے صرف لفظ **سنة** تک ہی نقل کی ہے اس کے آگے سے لفظ **عَیْنٍ مؤكدةٌ** غائب کر گئے ہیں جس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ تراویح کو سنت غیر کفایہ اور مؤکدہ نہ کہا جائے دوسری کجروی یہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ مذکورہ عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ امام ابو حنفیہؒ کے نزدیک بھی تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی درست ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جس کو حضرت عمرؓ نے بھی رائج کیا ہے حالانکہ ایک معمولی فہم کا آدمی بھی اس فریب کو محسوس کرلیگا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو تراویح کی رکعتیں بیس ہیں پھر وہ ثبوت آٹھ کا کیوں پیش فرمائیں گے؟ ظاہر ہے وہ تو اپنے معلوم ومشہور مذہب

یعنی بیس رکعتوں کے لئے ثبوت فراہم کریں گے لہذا مذکورہ بالا عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تراویح کی بیس رکعتوں کے متعلق بتا رہے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کی ایجاد کردہ بدعت نہیں ہے بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام کی سنت ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی وجہ سے ضعف ہے کیوں کہ ان کو ضعیف اور منکر راویوں میں شمار کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو متفق علیہ ضعیف قرار دیا ہے یا بے حد ضعیف راوی کی حیثیت سے ان پر اظہار رائے کیا ہے تو ان کا نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ نہ تو متفق علیہ ہی ضعیف ہیں اور نہ ہی اس قدر ضعیف ہیں کہ بالکل نا قابل اعتبار اور مردود ہو جائیں کیونکہ جہاں بہت سے لوگوں نے ان کو منکر یا ضعیف کہا ہے وہاں دو مستند محدثین نے ان کی زبردست توثیق بھی فرمائی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تمام جرحوں کے ساتھ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

وقال عباس الدوری عن یحیی بن معین قال قال یزید بن هارون ما قضی علی الناس رجل یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه وكان يزيد على كتابته ايام كان قاضيا. (تهذيب التهذيب ج/١ ص/١٤٥)

عباس دوری یحیی بن معین سے راوی ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یزید بن ہارون نے بتایا کہ لوگوں پر کوئی شخص ابراہیم بن عثمان شیبہ کے زمانہ میں ان سے زیادہ قضا کے معاملہ میں عادل نہ تھا اور یہ یزید بن ہارون ان کی قضا کے دور میں ان کے کاتب و منشی تھے۔

گذر چکا ہے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے جو خیر القرون کا زمانہ ہے اب اس دور کی تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے کیسے کیسے ثقہ اور عادل

قاضیوں کا نام کثرت سے ملتا ہے لیکن یحیی بن معین جیسا نقاد یہ کہتا ہے کہ یزید بن ہارون نے اس دور کے تمام قاضیوں سے زیادہ عادل ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو قرار دیا ہے جبکہ یزید بن ہارون خود ان کے منشی اور کاتب رہ چکے ہیں اور ان کے حالات کے سلسلہ میں نہایت معتبر اور قریبی ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان کا بیان ابراہیم کے حق میں بڑا وزن رکھتا ہے خیر القرون کے دور میں قاضی مقرر کیا جانا بجائے خود ان کے علم و فضل اور تقوئی و طہارت کی بڑی ضمانت تھی اور یہ ہی ایک شہادت ان کے ثقہ ہونے کے لئے بہت کافی تھی مگر معاملہ اتنا ہی نہیں ہے بلکہ ابوشیبہ ابراہیم تو اپنے دور کے تمام قاضیوں کے مقابلہ میں اعدل قضاء کا امتیاز بھی رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر ثقہ اور معتبر ہونے کی اور کون سی دلیل چاہیئے لیکن اس توثیق کے علاوہ دوسری توثیق بھی حافظ ابن حجرؒ نے تحریر فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن عدی له احادیث صالحة وهو خیر من ابراهیم بن ابی حبیبة. (تهذيب التهذيب ج/١ ص/١٤٥)

ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی بہت سی حدیثیں درست محفوظ ہیں اور وہ ابراہیم بن ابی حبیبہ سے بہتر اور افضل ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر جتنی جرحیں کی گئی ہیں ان سب کا حاصل دو ہے ایک تو یہ کہ وہ منکر ہیں دوسرے یہ کہ وہ ضعیف ہیں لیکن ان دونوں جرحوں کے مقابلہ میں جو توثیق نقل کی گئی اس میں ابن عدی نے ان کی روایت کردہ حدیثوں کو صالح و محفوظ بتا کر ان کے حافظہ کی صحت اور قوۃ ضبط کی توثیق کردی ہے لہٰذا ان دونوں توثیقوں کی روشنی میں قوۃ حفظ کی معمولی سی کمزوری کے باوجود ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ حافظ اور ثقہ ٹھہرتے ہیں بنا بریں ان کی روایت میں جو رکعتوں کی تعداد کا اضافہ ہے وہ قبول کیا جائے گا کیوں کہ حافظ بن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے یہ اصول حدیث پہلے بھی گذر چکا ہے۔

والزیادۃ من الحافظ مقبولۃ. (فتح الباری ص/ ۶۰۱ ج/ ۵)
حافظ راوی کی زیادتی قبول کرلی جاتی ہے۔

عیسیٰ بن جاریہ اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ عیسی بن جاریہ جو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے مقابلہ میں زیادہ ضعیف اور زیادہ سئی الحفظ ہے اس کی زیادتی غیر مقلدین حضرات کے نزدیک قبول کرلی جاتی ہے مگر ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ جو عیسی بن جاریہ سے بدرجہا سلیم الحفظ اور قوی راوی ہیں ان کا اضافہ قبول کرنا ان کے نزدیک اصول حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ دونوں پر جرحیں محدثین نے کی ہیں ان سب پر غور سے نگاہ ڈالنے کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ دونوں راوی منکر اور ضعیف ہیں لیکن عیسی بن جاریہ میں ضعف ونکارت زیادہ ہے اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ میں اس سے بہت کم ہے کیوں کہ علاوہ دوسری شہادتوں کے خود تنقید کرنے والوں میں ابن عدی نے بھی اس فرق کو واضح کردیا ہے چنانچہ عیسی بن جاریہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں احادیثہ غیر محفوظۃ یعنی اس کی تمام حدیثیں غیر محفوظ اور منکر ہیں اس کے برخلاف یہی ابن عدی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے متعلق فرماتے ہیں احادیثہ صالحۃ ان کی بعض حدیثیں محفوظ اور غیر منکر ہیں، معلوم ہوا کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ اپنے حافظہ کے لحاظ سے عیسی بن جاریہ سے بہت فائق ہیں۔ اسی طرح فن تنقید کے جلیل القدر امام یحیٰ بن معین نے ایک روایت کے مطابق ابراہیم بن عثمان کی مدح وتوثیق فرمائی ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے لیکن ائمہ فن میں کسی نے بالخصوص یحیٰ بن معین سے کسی روایت کے مطابق بھی عیسیٰ بن جاریہ کی

توثیق نہیں ثابت ہے بلکہ اس پر سخت قسم کی جرح ہی منقول ہے ان وضاحتوں کے سامنے آجانے کے بعد بھی عیسیٰ بن جاریہ کی زیادتی کو قبول کرنا اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی زیادتی کو مسترد کردینا صریح تعصب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ خصوصاً جب کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی تائید میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی مرفوع متصل حدیثیں بھی موجود ہیں چنانچہ فعلی شہادت یہ ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان مالا یجتہد فی غیرہ.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اتنی محنت وکوشش فرماتے تھے کہ رمضان کے علاوہ میں نہ ہوتی تھی۔

اسی طرح امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے۔

عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد میزرہ واحیی لیلہ وایقظ اھلہ. (بخاری جلد اول ص/ ۲۷۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہ بند کس لیتے تھے اور شب بیداری فرماتے تھے اور اہل خانہ کو جگائے رکھتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں میں جس محنت واجتہاد کی کثرت کا ذکر ہے اس سے مراد طویل قرات اور لمبی رکعت بھی ہوسکتی ہے لیکن قرائن اس کے خلاف ہیں اسی لئے محدثین نے اس سے رکعت کی زیادتی اور عدد کا اضافہ مراد لیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مشہور غیر مقلد عالم تصریح فرماتے ہیں۔

ولکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان مالا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددھا کان کثیراً.

(الانتقاد الرجیح ص/ ۶۱)

لیکن مسلم کی حدیث مذکورہ بالا سے یہ صاف طریقہ پر سمجھا جاتا ہے کہ رمضان میں جو نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اس کا عدد زیادہ ہوتا تھا۔

طویل قرأت اور درازیٔ رکعت پر محمول کرنے کی تردید کرتے ہوئے عدد کے اضافہ پر ہی محمول کرنے کو مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے بھی دونوں حدیثوں کے سلسلہ میں بہتر اور احسن قرار دیا ہے۔

(دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۷۴)

(۴) حدیث ابن عباسؓ کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے نفلی نماز کے سلسلہ میں رکعتوں کی تعداد کا حق خود نمازی کو عطا فرمایا ہے اور کثرت وقلت نمازی کے پسند پر موقوف کر دیا ہے لہٰذا اگر بیس رکعت کی کثیر تعداد کو اس طرح بھی دیکھا جائے تو نہ صرف جواز بلکہ سنت قولی کے ذیل میں آجاتی ہے چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الصلوٰۃ خیر موضوع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیستکثر۔

(تحفۃ الاخیار ص ۲۱۰)

نفل نماز تو ایک بہترین اختیاری عبادت ہے لہٰذا جس کا جی چاہے زیادہ کر لے اور جس کا جی چاہے رکعتوں کی تعداد کم کر لے۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

سید طاہر حسین گیاوی

رجب المرجب ۱۴۰۰ھ